فرمودات شاہ ولی اللہ
اور تقلیدِ شخصی

تالیف

حافظ خواجہ محمد قاسم رحمہ اللہ

مکتبہ دار السلف ٹنڈو آدم سندھ

فرمودات شاہ ولی اللہ اور تقلیدِ شخصی

تالیف

حافظ خواجہ محمد قاسم رحمہ اللہ

اشاعت.......................اگست 2024ء

ناشر

مکتبہ دار السلف

محلہ آسن داس، جمن شاہ روڈ ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔ سندھ

+92-302-3353215, 0303-3058908

فہرست

حافظ خواجہ محمد قاسم

(وفات ۱۹ دسمبر ۱۹۹۷ء)

مضمون نگار: جناب مولانا اسحاق بھٹیؒ

میانہ قد، سرخی مائل گندمی رنگ، گول معصومانہ سا چہرہ، موٹی آنکھیں، کشادہ پیشانی، صحت مند، ہنس مکھ، نرم دم گفتگو، خوش اخلاق، ملنسار، سر پر قراقلی ٹوپی، شلوار قمیص میں ملبوس، معتدل جسم، نہ موٹے نہ پتلے۔ یہ تھے حافظ خواجہ محمد قاسم۔لیکن ان کے حالات بیان کرنے سے پہلے ان کے خاندانی پس منظر سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ یہ لوگ دراصل علاقہ کشمیر سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے اسلاف میں سے ایک شخص ولی داد کشمیر کی سکونت ترک کر کے گوجراں والا آئے اور پھر اسی شہر میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ولی داد کے بیٹے خواجہ اللہ دتہ تھے جو نہایت نیک اور بلند کردار بزرگ تھے۔ خواجہ اللہ دتہ محکمہ ریل میں اسٹیشن ماسٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ ہم نے ان کو نہیں دیکھا۔

مولانا محمد حنیف ندویؒ نے ایک مرتبہ بتایا کہ میرے لاہور کی مسجد مبارک کے زمانہ خطابت میں خواجہ اللہ دتہ میری اقتدا میں نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے اور منبر کے بالکل قریب بیٹھتے تھے۔ دوران خطبہ میں میرا پائجامہ ٹخنے سے کچھ نیچے ہوتا تو خواجہ صاحب اپنے ہاتھ سے اس کو دوہرا کر دیتے اور وہ ٹخنے سے اونچا ہو جاتا۔ نماز کے بعد بہ طور نصیحت مجھے فرماتے کہ آپ خطبے میں جب لفظ اللہ کہتے ہیں تو اس کے ساتھ "تعالیٰ" کہا کریں یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

خواجہ اللہ دتہ دینی معاملات میں انتہا درجے کے حساس تھے۔ گھر میں کسی کو کوئی خلاف شرع کام کرتا دیکھتے تو سخت ناراض ہوتے۔ بعض اوقات اس سے تعلق منقطع کر لیتے۔ ان کے فرزند گرامی خواجہ عبدالعزیز تھے۔ دونوں باپ بیٹے کا تعلق مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی (متوفی ۵ مئی ۱۹۵۱ء) سے تھا اور ان کی وجہ سے یہ دونوں سرحد پار کی جماعت مجاہدین سے مالی تعاون کرتے تھے۔

یہ جماعت انگریزی حکومت سے مصروف جہاد رہتی تھی۔ اس سے کسی قسم کا تعاون کرنا اور اس کی تھوڑی یا زیادہ مالی مدد کرنا یا اس سے تعلق رکھنے والے شخص کو اپنے ہاں ٹھہرانا انگریزی حکومت سے بغاوت قرار پاتا تھا۔ جن معاونین جماعت کا حکومت کو پتا چل جاتا انھیں سخت سزا دی جاتی تھی لیکن خواجہ اللہ دتہ اور ان کے فرزند خواجہ عبدالعزیز اس کی پروا کیے بغیر جماعت مجاہدین کی مدد کرتے تھے۔

مولانا غلام رسول مہر جب اس موضوع سے متعلق کتابیں لکھ رہے تھے تو اس فقیر نے ان کو مجاہدین کے بعض معاونین کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی تھیں۔ اس ضمن میں خواجہ اللہ دتہ اور خواجہ عبدالعزیز کی کوششوں سے بھی میں نے ان کو مطلع کیا تھا۔ اس کا تذکرہ انھوں نے اپنی ایک کتاب "سرگزشت مجاہدین " میں کیا ہے جو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے :

جماعت مجاہدین کے معاونوں اور کارکنوں میں سے جن جن کے حالات معلوم ہو سکے، بیان کر دیے گئے۔ مجھے یقین ہے کہ معاونوں کی تعداد ان سے بدرجہا زیادہ ہوگی، لیکن ان سب کے حالات یا نام معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ میسر نہ آ سکا۔ بعض دوستوں نے اپنے اپنے دائرے میں بڑی سعی فرمائی، جن میں سے جناب محمد اسحاق صاحب مدیر

"الاعتصام" کا ذکر ایک سے زیادہ مرتبہ آ چکا ہے۔ خواجہ اللہ دتہ اور خواجہ عبدالعزیز کے حالات بھی موصوف ہی نے خواجہ عبدالعزیز کے صاحب زادے خواجہ محمد یوسف سے لکھوائے۔

خواجہ عبدالعزیز اکاونٹنٹ جنرل کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ ۱۹۴۳ء میں پنشن لی لیکن ۱۹۴۶ء میں دوبارہ ملازمت کر لی۔ ۴۸۔۱۹۴۷ء میں ریاست قلات کے فنانشل سکرٹری تھے۔ تریسٹھ سال کی عمر پا کر ۱۶ جون ۱۹۵۲ء کو وفات پائی۔

"خواجہ عبدالعزیز کے والد خواجہ اللہ دتہ ریل کے محکمے میں اسٹیشن ماسٹر تھے۔ میرا خیال ہے کہ جماعت مجاہدین سے تعلق خواجہ اللہ دتہ نے پیدا کیا، پھر یہ میراث خود خواجہ عبدالعزیز نے سنبھال لی۔ خواجہ صاحب، ان کے والد اور والدہ کے سوا کسی کو اس تعلق کا علم نہ ہو سکا اور یہ تینوں باضابط، دوراندیش اور محتاط تھے۔"

"مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی سے ان کا تعلق بہت گہرا تھا۔ خود مولوی صاحب موصوف نے سنایا کہ میں 1919ء میں ہجرت کر کے گھر سے نکلا تو قدم قدم پر گرفتاری کا اندیشہ تھا۔ پشاور پہنچا تو کوئی ایسا آدمی نظر نہ آیا جو مجھے پناہ دیتا۔ خواجہ عبدالعزیز ان دنوں پشاور میں تھے۔ رات کے وقت ان کے پاس پہنچا اور پورے حالات بیان کر دیے۔ انھوں نے بے تکلف ٹھہرا لیا۔ دفتر جاتے تو باہر سے قفل لگا جاتے، واپس آتے تو دن بھر کے حالات سنا دیتے۔ کئی روز کے بعد مختلف لوگوں سے مل ملا کر رات کے وقت مجھے سرحد سے پار کر دیا۔ وہ سرکاری ملازم تھے، راز کھل جاتا تو ملازمت بھی جاتی اور اسیر بھی ہوتے، تاہم کوئی خطرہ انھیں قومی فرض سے روک نہ سکا۔"

"ایک واقعہ خود خواجہ عبدالعزیز صاحب نے سنایا کہ ء میں ہم کوچہ بلوچاں مزنگ، لاہور میں رہتے تھے، جماعت مجاہدین کے چند کارکن قومی سرمایہ کے پونڈ والد کے حوالے کر گئے۔ ان میں سے ایک کارکن پکڑا گیا اور خدا جانے پولیس نے کسی تدبیر سے کام لیا کہ اس بے چارے نے پونڈوں کی مقدار بھی بتادی اور ہمارے گھر کا پتا بھی دے دیا۔ چنانچہ پولیس ہمارے گھر پہنچی اور پوچھا تو ہم نے انکار کر دیا۔ والد کو لائے اور اس کارکن کا سامنا کرا دیا۔ انھوں نے فرمایا کہ میں اس شخص کو جانتا ہی نہیں۔ پھر کہا گیا کہ اچھا آپ باہر کھڑے ہو کر گھر میں آواز دیں کہ اتنے پونڈ کی جو رقم میں نے کل رکھوائی تھی، وہ دے دی جائے، حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔ والد نے یہ بھی کیا لیکن والدہ نے کہلا بھیجا کہ آپ نے کبھی پونڈ مجھے نہیں دیے۔ آخر تلاشی کی گئی، لیکن جس ڈبے میں پونڈ رکھے ہوئے تھے، ہماری خوش نصیبی سے پولیس نے کھول کر ہی نہ دیکھا۔ اس طرح ہم محفوظ ہو گئے۔"

"خدا جانے انھیں زندگی میں ایسے خطرات کتنی مرتبہ قبول کرنے پڑے، لیکن مجاہدین کی اعانت کا کام بہ دستور جاری رکھا اور ان کے پاس جماعت کے آدمی برابر آتے رہتے تھے" [1]

اے جی آفس کی ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد خواجہ عبدالعزیز لاہور سے مستقل طور پر گوجراں والا آ گئے تھے۔ صحیح معنوں میں متقی اور متواضع و متوازن بزرگ تھے۔ جس زمانے میں اخبار الاعتصام گوجراں والا سے شائع ہوتا تھا، میں اس میں خدمات سر انجام دیتا تھا اور خواجہ صاحب مجھ پر شفقت فرماتے تھے۔ میں گوجراں والا اکیلا ہی رہتا تھا۔ مجھے یاد ہے ایک دو دفعہ مجھے شام کے وقت وہ اپنے گھر لے گئے اور کھانا کھلایا۔ ان کے دو فرزندوں خواجہ محمد یوسف اور خواجہ محمد قاسم سے میرے دوستانہ مراسم تھے۔

سرگزشت مجاہدین : ص ۶۷۸، ۶۷۹

خواجہ صاحب مرحوم روزانہ حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کے درس قرآن میں

شرکت کرتے اور ان کے قریب ہو کر بیٹھتے۔ میں نے بارہا دیکھا کہ راستہ چلتے وقت ان کی نظر جھکی ہوتی تھی اور وہ ادھر اُدھر نہیں دیکھتے تھے۔ ۱۶ اور ۱۷ جون ۱۹۵۲ء کی درمیان شب کو ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے وصیت کی تھی کہ میری وفات کی اطلاع فوراً دفتر کو دی جائے۔ وفات کے بعد ایک دن کی بھی پینشن وصول نہ کی جائے۔ ان کی وفات کے وقت میں گوجراں والا میں تھا اور ان کے جنازے میں شامل تھا۔

خواجہ مرحوم کی نرینہ اولاد پانچ بیٹے تھے۔ علی الترتیب ان کے نام یہ تھے : محمد اسحاق، عبدالرشید، عبداللہ، محمد یوسف اور محمد قاسم۔ خواجہ محمد اسحاق کو میں نے نہیں دیکھا۔ سنا ہے تقسیم ملک سے پہلے وہ کبھی کبھی مسجد مبارک میں خطبہ جمعہ دیا کرتے تھے۔ گورنمنٹ کالج (لاہور) سے انھوں نے فلسفے میں ایم اے کیا اور فرسٹ ڈویژن لی۔ بہت ذہین اور سمجھ دار تھے۔ اس کالج میں ان دنوں انگریزوں، ہندوؤں اور پارسیوں کے لڑکے بھی تعلیم حاصل کرتے تھے اور پروفیسروں میں انگریز پروفیسر بھی تھے۔ خواجہ محمد اسحاق اپنے تمام ساتھی طالب علموں سے پڑھنے میں تیز تھے۔ کچھ عرصہ وہ بیمار بھی رہے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وہ گورنمنٹ کالج کیمبل پور میں فلسفے کے پروفیسر ہوئے۔ ان کی شادی جڑاں والا میں ہوئی تھی۔ وفات کے بعد ان کی میت کیمبل پور سے جڑاں والا لائی گئی اور انھیں وہیں دفن کیا گیا۔ ان کی زندگی میں بعض عجیب وغریب موڑ آئے۔ ان کے ایک ہی بیٹے تھے۔ ان کا نام خالد تھا۔ وہ پائیلٹ تھے۔ ان کی زندگی بھی عجیب طرح گزری۔ وہ بھی وفات پا گئے ہیں۔

خواجہ عبدالعزیز مرحوم کے دوسرے بیٹے عبدالرشید تھے۔ وہ میٹرک پاس تھے۔ درس نظامیہ کے فاضل اور فوج میں ملازم۔ خوب صورت جوان۔ اچانک ذہنی توازن بگڑ

گیا۔ علاج کرایا گیا، لیکن افاقہ نہ ہوا۔ بالآخر لاہور کے ذہنی امراض کے اسپتال میں داخل کرا دیے گئے۔ ایک دن میں اور ان کے چھوٹے بھائی خواجہ محمد یوسف ملاقات کے لیے گئے تو وہ نہایت اچھی طرح ملے۔ اپنے تعلق داروں کے نام لے کر خیریت پوچھی۔ مجھ سے میرے تصنیفی کام کے سلسلے میں باتیں کیں۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم و مغفور کی بڑی تعریف کی۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ شخص بالکل تندرست ہے۔ ٹھیک ٹھیک باتیں کرتا ہے۔ اس کو یہاں کیوں بند کر رکھا ہے۔ اتنے میں ان کے ذہن کا پہیہ گھوما اور ایسی باتیں کرنے لگے، جن سے ان کا مرض واضح ہو گیا۔ ان میں ایک بات یہ تھی کہ اس اسپتال میں مولانا اسماعیل صاحب بھی آئے تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ انھیں کتنا عرصہ اسپتال میں رکھا گیا اور ان کی وفات کب ہوئی۔

خواجہ صاحب کے تیسرے بیٹے خواجہ عبداللہ تھے۔ پورا قد، گورے چٹے، خوش مزاج، خوش گفتار اور خوش لباس۔ وہ ریلوے کے محکمے میں اسٹیشن ماسٹر تھے۔ ملازمت کے سلسلے میں ان کی سکونت لاہور کے محلّہ گجر سنگھ میں تھی۔ وہیں ان کے ایک عزیز خواجہ عبیداللہ رہتے تھے جو خوش نویس تھے۔ میرے خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبیداللہ دونوں سے مراسم تھے۔ افسوس ہے دونوں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ چوتھے بیٹے خواجہ محمد یوسف ہیں جو اپنے آبائی شہر گوجراں والا میں اقامت گزیں ہیں۔ اللہ ان کی زندگی دراز کرے۔ تمام بھائیوں میں یہی اس وقت بقید حیات ہیں۔ سب سے پہلے اس گھرانے کے اس فرد سے میرا تعارف ہوا اور جلد ہی یہ تعارف دوستی کے قالب میں ڈھل گیا۔ میں اکتوبر ۱۹۴۸ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے آفس سیکرٹری کی حیثیت سے لاہور آیا تو ایک روز خواجہ محمد یوسف کسی سلسلے میں دارالعلوم تقویۃ الاسلام آئے جہاں میرا دفتر تھا۔ وہیں ان سے پہلی ملاقات ہوئی۔ اس

وقت وہ نوجوان تھے۔ نکلتا ہوا قد، نکھرا ہوا رنگ، تیکھے نقوش، کشادہ جبیں، چمک دار آنکھیں، چوڑا سینہ، بات چیت میں حلاوت اور سبک لہجہ، سفید شلوار قمیص پہنے ہوئے۔ یہ سطور ۳ نومبر ۲۰۱۲ء کو لکھی جارہی ہیں۔ اس حساب سے یہ آج سے ٹھیک ۶۴ سال پہلے کی بات ہے۔ اس وقت سے لے کر لمحہ رواں تک ہماری دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ تعلقات ہمیشہ مستحکم رہے۔ فروری ۱۹۵۰ء میں یہ سلسلہ اخبار الاعتصام میں گوجراں والا چلا گیا۔ تقریباً تین سال وہاں میرا قیام رہا۔ اس اثنا میں ان سے مراسم مزید بڑھ گئے۔ پھر میں دوبارہ لاہور آ گیا۔ اخبار کا دفتر بھی لاہور منتقل ہو گیا۔ خواجہ محمد یوسف جب بھی لاہور آئے مجھ سے ضرور ملے۔

بسا اوقات ان کے بعض دوست بھی ان کے ساتھ آتے۔ ان سے بھی میری دوستی ہو گئی جن میں ایک جناب محمد امین کھوکھر ہیں۔ طویل قامت، خوب صورت جوان، تیکھی ناک، موٹی آنکھیں، متناسب الاعضاء، مہذبانہ انداز گفتگو اور خوش پوش کلین شیو۔ یہ ان کی جوانی تھی۔ 11 ستمبر ۲۰۱۱ء کو میں ایک حادثے کی زد میں آ گیا اور میرا دایاں بازو ٹوٹ گیا۔ انھیں پتا چلا تو گوجراں والا سے عیادت کے لیے آئے۔ وہاں کی مٹھائی کا ڈبہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے صاحب زادے اور پوتے بھی ساتھ تھے۔ طویل عرصے کے بعد کھوکھر صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ رنگ روپ تو وہی تھا، لیکن چہرے پر داڑھی کی بہار تھی جو سفید چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ چند روز کے بعد پھر آئے، اب خواجہ محمد یوسف کو بھی ساتھ لے آئے تھے۔ میں کھوکھر صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے یاد رکھا۔ کئی دفعہ انھوں نے ٹیلی فون کیا۔ دعا ہے اللہ ان کا اور ان کے اہل و عیال کا حامی و محافظ ہو۔

اب آیئے خواجہ عبدالعزیز مرحوم و مغفور کے پانچویں اور سب سے چھوٹے صاحب زادے

خواجہ محمد قاسم کی طرف۔

محمد قاسم کی ولادت ۱۹۳۳ء میں لاہور میں ہوئی۔اس وقت خواجہ عبدالعزیز اے جی آفس میں ملازمت کرتے تھے اوران کی سکونت لاہور میں تھی۔لاہور کے قاریوں میں اس زمانے میں قاری فضل کریم کی بڑی شہرت تھی۔وہ چینیاں والی مسجد میں طلبا کوقرآن مجید حفظ کراتے تھے۔اس مسجد میں حفظ وقراءت قرآن کا سلسلہ مولانا سید محمد داؤدغزنوی نے ۱۹۳۰ء کے تھوڑا عرصہ بعداس وقت شروع کردیا تھاجب وہ اپنے ہم مکرم حضرت مولانا عبد الواحدغزنوی کی وفات کے بعداس مسجد کے منصب خطابت پر متعین ہوئے تھے۔اس شہر میں قرأت وتجوید کے ساتھ حفظ قرآن کا یہ اولیں مدرسہ تھا،جس کا آغاز مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی کوشش سے ہوا۔خواجہ عبدالعزیز نے اپنے دو چھوٹے بیٹوں (محمد یوسف اور محمد قاسم) کوجوسکول میں تعلیم حاصل کرتے تھے،قاری صاحب کے مدرسے میں داخل کرادیا اور وہاں انھوں نے قرآن مجید حفظ کیا۔خواجہ صاحب گرمیوں کے موسم میں بالعموم کشمیر جایا کرتے تھے،ایک مرتبہ وہ قاری صاحب کوبھی ساتھ لے گئے۔خواجہ صاحب کے افرادخانہ کے ساتھ وہ بھی وہیں رہے اور تحفیظ قرآن کا سلسلہ بہ دستور جاری رہا۔

اللہ نے کرم فرمایا اور دونوں بھائیوں نے قرآن مجید حفظ کرلیا۔آخری آیات سری نگر کے مسلم ہوٹل میں قاری صاحب کوسنائی گئیں اور خواجہ محمد قاسم متواتر دوسال شوپیاں (کشمیر) میں نماز تراویح پڑھاتے رہے۔ پھر گوجراں والا کی بعض مساجد میں یہ نیک سلسلہ جاری رہا۔

حفظ قرآن کے بعد خواجہ محمد قاسم نے درس نظامی کی تعلیم شروع کی جو دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور، جامعہ اسلامیہ چاہ شاہاں والا گوجراں والا اور جامعہ محمدیہ گوجراں والا

میں حاصل کرتے رہے۔ ان مدارس میں ان کے اساتذہ تھے مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، حضرت حافظ محمد گوندلوی، مولانا عطاء اللہ بھوجیانی، مولانا محمد عبداللہ، مولانا ابوالبرکات احمد اور بعض دیگر حضرات۔ ان اساتذہ کرام سے انھوں نے بڑی محنت اور دلجمعی سے تعلیم حاصل کی۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد انھوں نے عربی فاضل کا امتحان پاس کیا اور پھر چلتے چلتے بی اے کا امتحان بھی دے دیا۔

مجھے یاد پڑتا ہے میرا ان سے پہلا تعارف دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں ان کی طالب علمی کے زمانے میں ہوا تھا۔ میں اس وقت ہفت روزہ "الاعتصام " کی خدمت ادارت پر مامور تھا اور اس کا دفتر اسی دارالعلوم کی بلڈنگ کی دوسری منزل میں تھا۔ مجھے وہ اب بھی وہاں چلتے پھرتے دکھائی دے رہے ہیں اور ان کے معصومانہ چہرے پر مسکراہٹ لہرا رہی ہے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے چند مہینے جہلم میں، ایک سال کوئٹہ میں، دو سال اسلام آباد میں خطابت کی۔ جامعہ اسلامیہ سلفیہ مسجد مکرم ماڈل ٹاؤن گوجراں والا میں فریضہ تدریس انجام دیتے رہے۔ کچھ عرصہ اپنے بڑے بھائی محمد یوسف کے ساتھ کاروبار بھی کیا۔

پھر ایک وقت آیا کہ استاذ محترم حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی کے فرمان کے مطابق تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے۔

ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ تین طلاقیں : یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۹۶۴ء میں چھپی۔ پھر کئی دفعہ چھپی۔ اس پر مقدمہ حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی نے تحریر فرمایا۔

۲۔ قبر پرستی اور سماع موتی : یہ ان کا ایک طویل مضمون تھا جو بالاقساط ہفت روزہ "الاعتصام میں چھپا۔ بعد ازاں اسے کتابی شکل میں چھاپ دیا گیا۔ اس پر بھی مقدمہ حضرت الاستاذ مولانا محمد اسماعیل سلفی نے رقم فرمایا۔

۳۔ "وسیلہ"۔ کتاب وسنت کی روشنی میں : یہ کتاب ۱۹۷۷ء میں لکھی گئی۔ اس پر مقدمہ ان کے بڑے بھائی حافظ خواجہ محمد یوسف نے لکھا۔ اس کتاب کا سندھی زبان میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے۔

۴۔ تبلیغی جماعت اپنے نصاب کے آئینے میں : یہ کتاب 1990ء میں معرض تصنیف میں آئی۔

۵۔ کراچی کا عثمانی مذہب اور اس کی حقیقت : یہ کتاب ۱۹۹۰ء میں لکھی گئی۔ فاضل مصنف لکھتے ہیں :اس مذہب کے بانی کراچی کے ایک حنفی المذہب ڈاکٹر مسعود عثمانی ہیں، جنھوں نے مسلمانوں میں فتنہ کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ یہ گروہ خوارج کا ظہور ثانی ہے۔

۶۔ حی علی الصلوۃ : یہ کتاب ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی جو ۲۲۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں فرضی اور نفلی نمازوں سے متعلقہ مسائل ذکر کیے گئے ہیں، جن کی نمازیوں کو اکثر ضرورت پیش آتی ہے۔

۷۔ قد قامت الصلوۃ : ۵۴۴ صفحات کی اس کتاب کو "حی علی الصلوۃ" کا حصہ سمجھنا چاہیے۔ اس میں نماز سے متعلق تمام مسائل بالترتیب ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔

۸۔ ہدایہ عوام کی عدالت میں : اس میں فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں مندرج روایات پر بحث کی گئی ہے۔ ہدایہ صدیوں سے درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے اور

اسے اہل حدیث اور احناف کے مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔ اس میں جو احادیث و روایات درج ہیں، لازماً محدثانہ نقطہ نظر سے ان کے بارے میں تحقیق ہونی چاہیے۔ مسائل سے متعلق تحقیق میں ہرگز کوئی قباحت نہیں ہے۔ لیکن تحقیق کا انداز بیان خوب صورت ہونا چاہیے۔

۹۔ فتاوی عالم گیری پر ایک نظر : یہ کتاب چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسے چھٹے مغل بادشاہ محی الدین اورنگ زیب عالم گیر نے ملا نظام الدین برہان پوری کے اہتمام میں عربی زبان میں مرتب کرایا۔ کہا جاتا ہے کہ ملا موصوف نے اس کے مختلف حصے پانچ سو علما سے مرتب کرائے، لیکن ان کے نام کسی کتاب میں مذکور نہیں ہیں۔ اس فقیر نے اپنی ایک کتاب برصغیر میں علم فقہ میں اس موضوع پر تفصیل سے لکھا جو پہلی مرتبہ ۱۹۷۳ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے شائع ہوئی۔ اس سے ۳۷ سال بعد اسے بہترین انداز میں کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اردو بازار لاہور نے شائع کیا۔ مجھے بے حد تحقیق کے بعد اس کے اٹھائیس مرتبین کا علم ہو سکا ہے۔ فتاوی عالم گیری فقہ کی عام کتابوں کی طرح ایک کتاب ہے۔ دوسری فقہی کتابوں اور اس میں فرق یہ ہے کہ اس میں ہر مسئلے سے متعلق بہت سی کتابوں سے مواد لے کر یک جا کر دیا گیا ہے اور اس طرح یہ فتاویٰ جسے فتاویٰ ہندیہ بھی کہا جاتا ہے بڑی بڑی چھ جلدوں میں پھیل گیا۔

اس کا اردو ترجمہ سید امیر علی ملیح آبادی نے کیا جو بہت بڑے اہل حدیث عالم تھے اور دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنو) کے شیخ الحدیث تھے۔ اس ترجمے پر انھوں نے تقریباً تین سو صفحات کا مقدمہ لکھا، جس میں فتاوے کے مآخذ معیار صحت سے گرے ہوئے ہیں۔ یہ نہایت محققانہ مقدمہ ہے۔ سید امیر علی ملیح آبادی نے 1919ء میں وفات پائی۔

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں ان سے بے شمار علما و طلبا نے استفادہ کیا۔ رحمہ اللہ تعالی۔
ہمارے مرحوم دوست خواجہ محمد قاسم نے اس کے بعض حصوں کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔

۱۰۔ تعویذ اور دم کتاب وسنت کی روشنی میں : مجھے خواجہ صاحب کی صرف دو کتابیں پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ ایک تین طلاقیں اور دوسری کوئی اور کتاب ہے، جس پر (غالبًا) میں نے کچھ لکھا بھی ہے۔ ان کے علاوہ مجھے ان کی کوئی کتاب پڑھنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ گزشتہ سطور میں ان کی کتابوں کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ مقالات خواجہ محمد قاسم کے ابتدائی صفحات میں تحریر شدہ مواد سے اخذ کیا گیا ہے۔ " تعویذ اور دم کتاب وسنت کی روشنی میں " کتاب کے مندرجات کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ نبی ﷺ سے دم ثابت ہے، تعویز ثابت نہیں۔ اس سے آگے تعویذ نویسوں کے متعلق بڑے سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، جنھیں لکھنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔ معلوم نہیں یہ مرحوم ومغفور خواجہ صاحب کے الفاظ ہیں یا ان کے فرزند گرامی خواجہ ظہیر الاسلام ایم اے کے ہیں جنھوں نے ان کی کتابوں کا تعارف کرایا ہے۔ تعویذ حضرت حافظ محمد گوندلوی، حضرت حافظ عبداللہ روپڑی، حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، سید مولانا بخش مولوی بھی لکھتے تھے، حضرت حافظ بارک اللہ لکھوی سے لے کر مولانا معین الدین لکھوی تک بے شمار علما نے اہل حدیث لکھتے تھے۔ غزنوی علمائے کرام بھی لوگوں کو تعویذ لکھ کر دیتے تھے۔ اب بھی لاتعداد علمائے کرام تعویذ لکھتے ہیں۔ معلوم نہیں ان حضرات کے متعلق (جن میں خواجہ صاحب کے بعض اساتذہ بھی شامل تھے) ان کی کیا رائے تھی۔ اس کتاب کا تعارف "مقالات خواجہ محمد قاسم "کے صفحہ ۱۳" پر تین سطروں میں کرایا گیا ہے اور تعویذ کو تعویز لکھا گیا ہے اور تعویز لکھنا واقعی غلط ہے۔ خواجہ صاحب مرحوم نے تعویز "(زا کے ساتھ) لکھنے کو غلط کہا ہوگا،

نہ کہ تعویذ "(ذال کے ساتھ) لکھنے کو۔ یعنی معاملہ شاید ذال اور زا کے املا کا ہوگا، اس عمل کا نہیں ہوگا جو بے شمار جلیل القدر علمائے کرام کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ قرآن وحدیث کے جو الفاظ پڑھ کر دم کرنا جائز ہے، وہی الفاظ اگر کاغذ پر لکھ کر پانی میں بھگو کے کسی کو پلا دیے جائیں تو یہ ناجائز کیسے ہوگیا؟

۱۱۔ معرکہ حق و باطل بجواب جاء الحق : یہ کتاب ۷۹۰ صفحات پر مشتمل ہے جو خواجہ صاحب کی وفات کے بعد چھپی اور جلد ہی ختم ہوگئی۔

۱۲۔ مقالات خواجہ محمد قاسم : یہ خواجہ صاحب مرحوم کی بعض تحریروں کا ۱۱۲ صفحات پر مشتمل مجموعہ ہے، جو مرحوم کی وفات کے بعد معرض اشاعت میں آیا۔ ان بارہ کتابوں کے علاوہ بھی مقالات کے آخری صفحے پر مرحوم کی بعض کتابوں کے نام مرقوم ہیں۔

اب آئیے اپنے عالم و فاضل دوست خواجہ محمد قاسم کی حیات مستعار کے آخری وقت کے بارے میں چند باتیں کرتے ہیں۔ ان کا آخری وقت دردناک بھی تھا اور قابل رشک بھی۔

خواجہ صاحب استاذ مکرم حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی کے حکم سے کم و بیش چالیس برس جامع مسجد اقصیٰ اہل حدیث سیٹلائٹ ٹاؤن (گوجراں والا) میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔ وہ دل کے مریض تھے لیکن کسی کو اس کا احساس نہیں ہونے دیتے تھے۔ تصنیف و تالیف اور خطابت کی ذمہ داریاں بہتر طریقے سے نبھا رہے تھے۔ ۱۹ دسمبر ۱۹۹۷ء کا ان کا آخری خطبہ جمعہ تھا۔ حسب معمول خطبہ پڑھا اور تقریر کی۔ جماعت کرائی۔ التحیات کے بعد درود شریف پڑھا اور پھر دعائیں پڑھنے لگے تو مائیک سے لمبے سانس کی آواز نمازیوں کے کانوں میں پڑی اور ساتھ ہی سجدے میں گر گئے۔ ان کے پیچھے ایک

نمازی حافظ عبدالوحید تھے۔ انھوں نے خیال کیا کہ خواجہ صاحب کو شاید کچھ شک پڑ گیا ہے، اسی لیے سجدہ سہو کر رہے ہیں۔ پھر انھوں نے سجدے سے سر اٹھایا تو نیچے کو جھک گئے۔ حافظ عبدالوحید سمجھ گئے کہ معاملہ خطرناک ہے۔ انھوں نے فوراً سلام پھیر کر نمازیوں کو نماز سے نکالا اور خود اٹھ کر محراب کی طرف بڑھے۔ دیکھا تو خواجہ صاحب اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔

یہ صورت حال دیکھ کر لوگ آہیں بھرنے لگے اور خواتین گیلری سے نیچے اتر آئیں۔ آنا فانا کہرام بپا ہو گیا اور ان کی ناگہانی موت کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ مولانا خالد گرجاکھی نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں علماء اور شیوخ الحدیث سمیت لوگوں نے بہت بڑی تعداد میں جنازے میں شرکت کی۔

خواجہ صاحب مرحوم کے بیٹے عاکف کا بیان ہے کہ ان کی وفات سے ایک ہفتہ پہلے میں نے خواب دیکھا کہ ابا جان مجھے کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے مجھے جنت میں گھر دے دیا ہے۔ اب میرا یہاں رہنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ خواب سچا ثابت ہوا اور وہ جنت میں پہنچ گئے۔

خواجہ محمد قاسم کے پانچ بیٹے ہیں۔ بڑے ظہیر الاسلام ایم اے ہیں جو ان کی جگہ جامع مسجد اقصیٰ اہل حدیث سیٹلائٹ ٹاؤن میں فریضہ خطابت انجام دیتے ہیں۔

دوسرے محمد عاکف بی اے سیاسی اور سماجی کارکن ہیں۔

تیسرے محمد عاصم ایم اے، درس نظامی کے فاضل ہیں اور کاروبار کرتے ہیں۔

چوتھے حافظ محمد عدنان ایم اے جامع حرمین ماڈل ٹاؤن گوجراں والا کے مہتمم ہیں۔تحریر ونگارش سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔

پانچویں حافظ حسن ایف اے پاس ہیں۔ درس نظامی کی تکمیل کر چکے ہیں۔ کاروبار میں مصروف ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ خواجہ محمد قاسم کی مغفرت فرمائے اور ان کی آل اولاد کو خدمت دین کی توفیق سے نوازے۔ یہاں چند الفاظ میں خواجہ محمد قاسم مرحوم کے ننھیال کا ذکر کرنا بھی میرے خیال میں ضروری ہے۔ ان کے نانا سیٹھ نظام الدین تھے جو اپنے عہد میں گوجراں والا کی مشہور شخصیت تھے۔کسی زمانے میں آزادی وطن کے لیے کانگریس سے بھی تعلق رہا اور مجلس خلافت سے بھی۔مولانا ابوالکلام آزاد کے انتہائی مداح اور عقیدت مند تھے۔علما کا احترام سے تذکرہ کرتے۔ میں جب گوجراں والا میں اخبار الاعتصام میں کام کرتا تھا تو کبھی کبھی دفتر تشریف لاتے اور گزشتہ دور کے عالموں اور سیاسی راہنماؤں کی باتیں سناتے۔ مولانا محمد حنیف ندوی اس اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ ایک دن سیٹھ صاحب مرحوم صبح نو بجے کے قریب آئے۔ میں دفتر میں اکیلا بیٹھا کام کر رہا تھا۔کورے لٹھے کا تھان مجھے دیا۔فرمایا: کل میں یہاں آیا تو میں نے دیکھا کہ مولانا محمد حنیف ندوی کا پائجامہ پھٹا ہوا تھا۔تم ابھی مولانا کے گھر جاؤ اور انھیں یہ کپڑا دے آؤ۔کسی کو اس کا پتا نہیں چلنا چاہیے۔

سیٹھ صاحب مرحوم نہایت نیک اور کھلے دل کے آدمی تھے۔اللہ نے انھیں مال و دولت سے نوازا تھا اور اس کی راہ میں خرچ بھی کرتے تھے۔

ان کے فرزند گرامی سیٹھ نذر محمد بھی فراخ حوصلہ تھے۔ یہ سب لوگ حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی کے حلقہ عقیدت میں شامل تھے۔ سیٹھ نذر محمد مرحوم نے مولانا سلفی کی وساطت سے جامعہ سلفیہ کو ہزاروں روپے دیے۔ اللہ ان سب کی مغفرت فرمائے۔

ان کے بیٹے عبدالرحمٰن تھے، جن کی شادی خواجہ محمد قاسم کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی۔ وہ میرے ملنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں خاندانوں کے فوت شدگان کو جنت نصیب کرے اور زندوں کو صحت و عافیت کے ساتھ نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

آخر میں ایک لطیفہ سنیے جو بہت سال ہوئے خواجہ محمد یوسف نے سنایا تھا۔ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں خواجہ محمد قاسم نے مسجد اہل حدیث (دال بازار گوجراں والا) میں تراویح پڑھائیں۔ خواجہ محمد یوسف ان کے سامع تھے اور دونوں بھائی اکٹھے مسجد میں آتے تھے۔ خواجہ یوسف کی داڑھی شخصی تھی اور خواجہ قاسم کی پوری۔ یوسف عمر میں بڑے تھے اور قاسم چھوٹے۔ ایک دن یوسف مسجد میں اکیلئے آئے اور نماز سے کچھ دیر پہلے آگئے۔ ایک بزرگ نمازی جو پہلی صف میں امام کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، وہ یوسف کو چھوٹی داڑھی کی وجہ سے خواجہ قاسم کا بیٹا سمجھتے تھے، حالاں کہ خواجہ قاسم کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی اور یوسف صاحب اولاد تھے۔ ان بزرگ نے یوسف سے کہا آپ کے ساتھ آپ کے ابا جی نہیں آئے؟ جواب دیا: وہ ابھی آجائیں گے۔ لیکن ان بزرگ کو یہ نہیں بتایا کہ وہ میرے چھوٹے بھائی ہیں۔

(۱)۔ صاحب کتاب کا یہ تعارفی مضمون مؤرخ اہل حدیث، عظیم سوانح نگار جناب مولانا اسحاق بھٹی صاحبؒ کی کتاب چمنستان حدیث سے لیا گیا ہے۔

فرمودات شاہ ولی اللہ

یہود و نصاریٰ کی طرح

اگر تم یہود کا نمونہ دیکھنا چاہو تو ان علماء سوء کو دیکھو جنہیں دنیا کی ہوس لگی ہوتی ہے یہ سلف کی تقلید کرتے ہیں۔ کتاب و سنت کی نصوص سے منہ موڑتے ہیں اور موضوع روایتوں اور فاسد تاویلوں سے سند پکڑتے ہیں جو ان کے لیے ہلاکت کا باعث بن گئی ہیں۔

اور اگر تم نصاری کا نمونہ دیکھنا چاہو تو مشائخ اولیاء کی اولاد کو دیکھ لو۔ انھوں نے اپنے بزرگوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون (الفوز الکبیر)

یہ گمراہ ہیں

اے لوگو تمہیں کیا ہو گیا ہے تم گروہوں میں بٹ گئے ہو۔ ہر ایک اپنی رائے کے پیچھے لگ گیا ہے۔ اور تم نے وہ طریقہ چھوڑ دیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا جس میں لوگوں کے لیے رحمت ہے۔ لطف و مہربانی ہے اور ہدایت ہے۔ ہر کوئی پیشو بنا بیٹھا ہے اور اپنی طرف دعوت دے رہا

ہے۔ اور اپنے آپ کو ہدایت یافتہ اور ہادی سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ یہ گمراہ کرنے والے بھی ہیں۔

بیعت لینے والے

ہمیں وہ لوگ پسند نہیں جو لوگوں سے بیعت لیتے ہیں۔ تاکہ اس بہانے ثمن قلیل (نذرانے)، بٹوریں یا علم سیکھ کر دنیوی اغراض حاصل کریں۔ کیونکہ نیک لوگوں کا روپ دھار کر ہی دنیا کمائی جاسکتی ہے۔

یہ ڈاکو

ہمیں وہ لوگ بھی پسند نہیں جو اپنی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنی محبت کا حکم دیتے ہیں۔ یہ لوگ ڈاکو ہیں۔ دجال ہیں۔ کذاب ہیں۔ فتنے کا شکار ہیں اور فتنہ پرداز ہیں ان سے بچو۔ صرف ان لوگوں کی پیروی کرو جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اپنی طرف دعوت نہیں دیتے۔ (تفہیمات الٰہیہ ج ا ص ۲۱۴)

یہ دین کے چور

یہ جاہل صوفیاء درحقیقت راہزن ہیں اور دین کے چور ہیں۔ ان سے خود کو بچاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے (تفہیمات الٰہیہ ج ۲ ص ۲۰۳)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مختصر حالات زندگی

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۴ شوال سن ۱۱۱۴ھ بمطابق 21 فروری 1703ء بروز بدھ موضع پھلت میں پیدا ہوئے۔ پھلت ضلع مظفر نگر کے ایک قصبہ کا نام ہے جو میرٹھ سے تقریباً بیس کوس شمال کی جانب ہے۔

شاہ صاحب کے والد کا نام شاہ عبدالرحیم اور دادا کا نام شاہ وجیہ الدین تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک اور والدہ کی طرف سے امام موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے۔ آپ کی دو مرتبہ شادی ہوئی۔ پہلی شادی اپنے ماموں کی بیٹی سے ہوئی جن سے ایک بیٹا شیخ محمد اور ایک بیٹی امتہ العزیز پیدا ہوئے۔ یہ اہلیہ جلد ہی انتقال کر گئیں۔ دوسری شادی سے چار بیٹے پیدا ہوئے اور سب نامور ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز۔ شاہ رفیع الدین۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیھم۔

شاہ صاحب نہایت ذہین تھے۔ بچپن میں ہی بہت کچھ پڑھ ڈالا۔ پندرہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ سترہ سال کے تھے کہ والد گرامی کا انتقال ہو گیا اور مسند تدریس سنبھال لی۔ بارہ سال تک علوم دینی و عقلی کی تعلیم دی۔ پھر حج کے لیے تشریف لے گئے اور دو حج کر کے لوٹے وہاں شیخ ابو طاہر بن ابراہیم مدنی سے حدیث

کی سند لی۔ واپس آ کر آپ نے ساری عمر صرف حدیث پڑھائی ہے اور تصنیف و تالیف کا کام کیا ہے۔

۳۸، ۱۷۳۷ء میں آپ نے قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ حنفی علماء نے اسے قرآن پاک کی بے ادبی خیال کیا اور یہ کہا کہ شاہ صاحب نے خدا کا بھید کھول دیا ہے۔ اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ تلواریں نکل آئیں۔ شاہ صاحب کو جان بچانے کے لیے دہلی چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اور بات یہ تھی مقلد احناف نہیں چاہتے تھے کہ لوگوں کو اصل اسلام پتہ چل جائے۔ ترجمہ قرآن فتح الرحمٰن کے علاوہ شاہ صاحب کی مشہور تصانیف یہ ہیں: الفوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ المسوی شرح موطا عربی۔ المصطفی شرح موطا فارسی۔ تراجم ابواب البخاری - حجۃ اللہ البالغۃ - عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید - الانصات فی بیان سبب الاختلاف۔ التفہیمات الاھیہ - ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ انفاس العارفین۔ مکتوبات۔ القول الجمیل۔ فیوض الحرمین۔ الخیر الکثیر۔ لمعات۔ فقہ حنفی کے مسائل پر شاہ صاحب کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ پاک و ہند کے حنفی علماء شاہ صاحب کی شخصیت کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں اور انہیں اپنے راہنما کے طور پر مشہور کرتے ہیں۔ کہیں شاہ ولی اللہ یونیورسٹیاں کھل رہی ہیں، کہیں شاہ ولی اللہ اکیڈمیاں قائم ہو رہی ہیں اور کہیں نظریہ شاہ ولی اللہ کے وارث

اور فکر شاہ ولی اللہ کے ترجمان ہونے کے دعوے کیے جا رہے ہیں۔

حالانکہ جس قسم کا تعصب ان میں پایا جاتا ہے، جس تقلید جامد کے یہ قائل ہیں اور جو تقلید شخصی ان کا طرہ امتیاز ہے۔ شاہ صاحب اس سے کوسوں دور تھے۔ تقلید جامد سے شاہ صاحب کو اتنی نفرت تھی جتنی نفرت کہ کسی مومن کو شرک سے ہو سکتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں تقلید سے میری جبلت اور سرشت انکار کرتی ہے اور بالکلیہ اس سے بھڑکتی ہے۔ (بحوالہ رود کوثر ص ۵۸۳ از شیخ محمد اکرام) شاہ صاحب کی کسی بھی تحریر سے اس تقلید کا ثبوت نہیں ملتا جو حنفیوں کا مذہب ہے۔ زندگی کے کسی بھی حصے میں آپ کا دامن ایسی تقلید سے داغدار نہیں ہوا۔ نہ زندگی کے شروع میں نہ زندگی کے آخر میں نہ سفر حرمین سے پہلے نہ سفر حرمین کے بعد۔ مذاہب اربعہ کے ساتھ آپ کا تعلق یکساں تھا۔ آپ لکھتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے ان مذاہب اربعہ کے بارے میں سوال کیا کہ آپ کے نزدیک ان میں کون سا زیادہ قابل قبول اور محبوب ہے۔ تو آپ کی طرف سے میرے دل پر یہ فیضان ہوا کہ سب مذاہب برابر ہیں کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں (تفہیمات ج ۲ ص ۲۵۰) اگر شاہ صاحب کے نزدیک کسی مذہب کو ترجیح تھی تو وہ شافعی مذہب کو تھی نہ کہ حنفی مذہب کو۔ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ (شائع کردہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد) کے مصنف ڈاکٹر مظہر بقا صاحب لکھتے ہیں مجتہد منتسب کے بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اصول میں وہ اپنے امام کا پابند ہوتا

ہے اور شاہ صاحب چونکہ اصول میں تمام تر امام شافعی کے پابند ہیں .....اس لیے مجتہد منتسب ہونے کی حیثیت سے ان کا انتساب امام شافعی کی طرف ہونا چاہیے۔ بیہقی کو فقیہ محدث مانتے ہوئے ان کا ذکر ایک موقع پر شاہ صاحب اس طرح کرتے ہیں۔ کثرت موافقت کی وجہ سے بسا اوقات اہل حدیث بھی کسی ایک مذہب کی طرف منسوب کر دیے جاتے ہیں جیسے امام نسائی اور امام بیہقی امام شافعی کی طرف منسوب کر دیے ہیں (حجتہ اللہ ج اص ۱۵۴)

کثرت موافقت کی وجہ سے اگر بیہقی کا انتساب امام شافعی کی طرف ہوسکتا ہے تو فقیہ محدث ہونے کی حیثیت سے شاہ صاحب کا انتساب بھی اس اصول کے مطابق امام شافعی کی موافقت کے ساتھ ساتھ فروع میں بھی ستر فیصد سے زائد مسائل میں وہ امام شافعی کے موافق ہیں (ص ۴۷)

نیز لکھتے ہیں

مجتہدین میں فکری طور پر زیادہ تر وہ اپنے آپ کو ائمہ اربعہ تک محدود رکھتے ہیں اور ائمہ اربعہ میں سے بھی ان کا بیشتر میلان امام شافعی کی بابت ہے۔لیکن عمل میں مذہب حنفی کی پابندی کرتے ہیں اور اسی لیے وہ فکر کے لحاظ سے فقیہ محدث اور مجتہد منتسب الی مذہب الشافعی ہیں اور عملاً حنفی ہیں (ص ۵۲)

شاہ صاحب کا عملاً حنفی ہونا بھی مقامی مصلحت کی بنا پر تھا۔

نیز تقلید کی جو تعریف کی جاتی ہے یعنی العمل یقول الفر من غیر حجة

(مسلم الثبوت) آپ ان اصطلاحی معنوں میں امام ابو حنیفہ کے ہرگز مقلد نہ تھے۔ اس دعوے کا ثبوت آپ کو شاہ صاحب کی اگلی تحریروں سے مل جائے گا۔ آپ خود ہی فیصلہ فرماسکیں گے۔ درحقیقت شاہ صاحب محدث تھے۔ آپ نے تاحیات حدیث کی خدمت کی نہ کہ تقلید کی۔ برصغیر پاک و ہند میں آج حدیث شریف کا جو چرچا ہے اس کی آبیاری شاہ صاحب نے کی ہے۔ بلکہ یہ پودا آپ ہی کا لگایا ہوا ہے۔ اس کا کریڈٹ اور ثواب آپ ہی کو جاتا ہے۔ اس ایصال ثواب کے حق دار آپ ہی ہیں۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث کی طرح شاہ ولی اللہ بھی فنا فی العلم تھے۔ (فقہ وغیرہ پڑھ کر) قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام بننے کی خواہش ان کے دل میں نہ تھی۔ انھوں نے اپنی کوشش اس علم کی توسیع کے لیے وقف رکھی جس کی بادشاہوں کے درباروں میں تو قدر نہ تھی لیکن جو عام مسلمین کی اخلاقی اور روحانی اصلاح کے لیے ضروری تھا۔ علم الحدیث پر انھوں نے کئی کتابیں لکھیں لیکن اس سے بڑھ کر یہ کیا کہ ایسے علماء کی تربیت کر گئے، جنہوں نے درس حدیث کا سلسلہ ان کے بعد جاری رکھا اور یہ فیض ملک میں عام ہوگیا (رود کوثر ص ۵۵۷)

نیز لکھتے ہیں

فرنگی محل اور اضلاع پورب کی درسگاہوں (یعنی حنفی مدارس) سے فقہ و منطق کا جو سیلاب آرہا تھا وہ اس مذہبی کش مکش میں مفید نہ تھا۔ اس کے لیے روحانی اور اخلاقی قوت کی ضرورت تھی جو فقہ اور منطق سے نہیں بلکہ قرآن اور حدیث سے حاصل

ہوتی تھی اور انہیں اس خاندان نے جس طرح عام کیا اس پر تاریخ گواہ ہے (ایضاً ص ۵۳۳)

جہاں تک دارالعلوم دیوبند کا تعلق ہے یہ تو شاہ صاحب کے مشن کو روکنے کے لیے وسیع پیمانہ پر ایک "مقدس" سازش تھی۔ یعنی شاہ صاحب جس حنفی عصبیت کو ختم کرنا چاہتے تھے اور جس جمود کو توڑنا چاہتے تھے احناف نے اسے برقرار رکھنے کے لیے یہ ادارہ قائم کیا۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں مدرسہ دیوبند کے بانیوں نے جن کا سلسلہ فیض بھی مولانا سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید تک پہنچتا ہے مسلک ولی اللہی کی پیروی کی اور اپنے آپ کو حنفیوں سے علیحدہ نہ کیا (موج کوثر ص ٦۵)

نیز لکھتے ہیں

ارباب دیوبند نہایت زاہد اور متکشف ہیں اس کے ساتھ وسیع النظر بھی ہیں (ایضاً ص ۲۰۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاہ ولی اللہ نے فرمایا

(حجۃ اللہ البالغہ، ج اول)

قیاس اور ابلیس

علامہ ابن سیرین سے مروی ہے کہ سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس تھا۔ سورج اور چاند کی قیاس ہی کی وجہ سے پرستش کی گئی۔ حضرت حسن بصری نے یہ آیت تلاوت فرمائی خلقتنی من نار و خلقته من طین (یعنی تو نے مجھے آگ سے اور آدم کو مٹی سے بنایا) اور فرمایا ابلیس نے قیاس کیا اور سب سے پہلے اسی نے قیاس کیا۔ امام شعبی نے فرمایا اللہ کی قسم اگر تم قیاس پر چلو گے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرو گے (ص ۱۲۱)

یاد رہے اس سے وہ قیاس مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مقابلے میں کیا جائے۔ ابلیس نے ایسا ہی قیاس کیا تھا۔

احبار و رہبان

شاہ صاحب نے فرمایا کسی مسئلہ میں غیر معصوم عالم کی تقلید کرنا یہ سمجھ کر کہ وہ قطعاً یا غالباً حق پر ہے اور اس کے مقابلے میں صحیح حدیث کو رد کر دینا یہ وہ تقلید ہے جس

پر امت کا اتفاق نہیں ہوا ہے۔ اُمت کا اتفاق اس تقلید کے جائز ہونے پر ہے جب یہ عقیدہ ہو کہ مجتہد سے خطا اور صواب دونوں کا امکان ہے اور حدیث نبوی کی تلاش کو جاری رکھا جائے اور یہ عزم ہو کہ جونہی تقلیدی قول کے خلاف صحیح حدیث مل گئی اسی وقت تقلید کو خیر باد کہہ کر حدیث نبوی کی پیروی کی جائے گی۔ (ص ۱۲۱) یعنی تقلید کوئی مستقل مذہب نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے قبلہ کی صحیح سمت معلوم نہ ہو تو غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ پھر جونہی قبلہ معلوم ہو جائے اسی وقت رخ بدلنا لازمی ہو جاتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں قرآن پاک میں ہے

اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربا با من دون الله

"یعنی انھوں نے اپنے علماء ومشائخ کو اللہ کے سوا رب بنالیا"

اس آیت کے متعلق آنخضرت ﷺ نے فرمایا وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ انھوں نے ان کو حلال وحرام کا اختیار دے رکھا تھا (ص ۱۲۱)

ابراہیم نخعیؒ

"فرمایا امام ابو حنیفہ سب سے زیادہ ابراہیم نخعی اور ان کے ساتھیوں کے مذہب کی پابندی کرنے والے تھے۔ اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ الا ماشاء اللہ۔ ان کے مذہب کے موافق مسائل تخریج کرنے میں انھیں عظیم مہارت حاصل تھی۔ تخریج مسائل کے وجوہ دریافت کرنے میں وہ نہایت دقت نظر سے کام لیتے تھے۔ فروعات کی جانب ان کی توجہ زیادہ تھی۔ اگر ہمارے قول کی حقیقت معلوم کرنا چاہو تو

امام محمد کی کتاب الآثار، جامع عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ سے ابراہیم نخعی کے اقوال ملخص کر کے ابو حنیفہ کے مذہب سے ان کا موازنہ کرو تو چند مقامات کے سوا تمہیں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ ان چند مقامات میں بھی وہ فقہاء کوفہ کے مذہب سے باہر نہیں نکلتے۔ امام ابوحنیفہ کے سب سے مشہور شاگرد امام ابو یوسف کو قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔ اس وجہ سے امام ابوحنیفہ کے مذہب کو عراق۔ خراسان اور ماوراء النہر کے اطراف میں پھیلنے کا موقع مل گیا۔ اور درس وتصنیف کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ کے سب سے بہترین شاگرد محمد بن حسن تھے۔ اُن کا قصہ یہ ہے کہ انھوں نے امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف سے فقہ کی تکمیل کی پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے وہاں انھوں نے امام مالک سے موطا پڑھی پھر اُنھوں نے اپنے اصحاب کے مذہب کے ایک ایک مسئلہ کا موطا امام مالک سے موازنہ کیا۔ اگر موافقت نظر آئی تو فبھا۔ ورنہ دیکھا آیا ان کے اصحاب کے مسائل پر صحابہ وتابعین میں سے کسی نے عمل کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو اُنھیں بھی علیٰ حالہ رہنے دیا۔ اور اگر محسوس کیا کہ اُن کے فقہاء (حنفیہ) نے ضعیف قیاس اور کمزور تخریج پر عمل کیا ہے اور اس کے خلاف صحیح حدیث یا اکثر علماء کا مذہب موجود ہے تو امام ابوحنیفہ کے مذہب کو ترک کر کے سلف کے مذہب کو اختیار کرلیا۔ یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ کی طرح صاحبین بھی حتی الامکان ابراہیم نخعی اور اُن کے ساتھیوں کے مذہب سے الگ ہونا نہیں چاہتے۔ (ص ۱۴۶) اس اقتباس سے اور بہت کچھ معلوم ہونے کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحبین اگر مجتہد فی المذہب اور امام ابوحنیفہ کے مقلد کہلا سکتے ہیں تو امام ابوحنیفہ بھی مجتہد فی المذہب اور ابراہیم نخعی کے مقلد کہلا سکتے ہیں۔

کیونکہ جونسبت صاحبین کو امام صاحب کے ساتھ ہے وہی نسبت امام ابوحنیفہ کو ابراہیم نخعی کے ساتھ ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ تینوں استاد شاگرد ابراہیم نخعی کے مقلد تھے تو غلط نہ ہوگا۔لہذا کیا جو خود مقلد ہو اس کی تقلید جائز ہے۔

ابن عمرؓ

شاہ صاحب فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت جابر بن زید سے کہا تم بصرہ کے فقہاء میں سے ہو ہمیشہ قرآن ناطق اور سنت ماضیہ سے فتوے دیا کرو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خود بھی ہلاک ہو گے اور دوسروں کو بھی ہلاک کرو گے (ص ۱۴۸)
شاہ صاحب نے فرمایا ابونصر کہتے ہیں کہ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بصرہ میں آئے تو میں اور حسن بصری اُن کی ملاقات کو گئے۔اُنھوں نے حسن بصری سے فرمایا۔تم حسن ہو؟ مجھے بصرہ میں سب سے زیادہ ملنے کا تم ہی سے اشتیاق تھا کیونکہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم اپنی رائے سے فتوے دیتے ہو،اپنی رائے سے نہیں ہمیشہ قرآن پاک اور رسول کی حدیث سے فتوے دیا کرو۔(ص ۱۴۸)

امام شعبیؒ

امام شعبی نے کہا علماء اگر تم سے حدیث رسول بیان کریں تو اسے قبول کرلو اور جو بات اپنی رائے سے بیان کریں اُسے ٹٹی میں پھینک دو۔(ایضاً)

امام شافعیؒ

امام شافعی نے امام احمد بن جنبل سے کہا صحیح احادیث کا علم آپ کو ہم سے زیادہ ہے جو حدیث صحیح ہو مجھے بھی بتلادیا کروتا کہ میں اُسی کو اپنا مذہب بنالوں۔خواہ وہ

حدیث کوفی ہو بصری ہو یا شامی ....امام شافعی نے یہ اس واسطے کہا کہ بہت سی احادیث ایسی تھیں جنہیں صرف ایک شہر کے راوی نقل کرتے تھے .... بعض ایسی تھیں کہ جنہیں صرف ایک ہی خاندان کے لوگ روایت کرتے تھے ... اور یہ بھی تھا کہ بعض صحابہ قلیل الروایت اور گمنامی کی حالت میں تھے۔ اُن سے بہت کم لوگوں نے حدیثوں کو اخذ کیا اس لیے ایسی حدیثوں سے عام اہل فتوی بے خبر رہے۔ محدثین کے پاس ہر شہر کے فقیہ صحابہ وتابعین کی حدیث جمع ہو گئیں جب کہ پہلے یہ سہولت حاصل نہیں تھی۔ قبل ازیں لوگوں کا علم حدیث صرف اپنے ہی شہر اور اپنے ہی ساتھیوں کی احادیث تک محدود تھا۔ (ایضاً)

جمع احادیث

محدثین کی خدمات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس زمانہ کے بلند پایہ علماء کرام نے ممالک حجاز، شام عراق، مصر، یمن اور خراسان کا سفر کیا اور کتابوں اور نسخوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کیا اور غریب حدیث اور احادیث نادرہ کی تلاش میں بہت محنت کی۔ ان کے اہتمام سے وہ احادیث وآثار جمع ہو گئے۔ جو پیشتر جمع نہ ہو سکے تھے ان کے لیے وہ سامان مہیا ہو گیا جو پہلے کسی کے لیے مہیا نہ ہوا (ایضاً)

اہل حدیث کا مسلک

شاہ صاحب محققین اہلحدیث کا یہ مسلک بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے متقدمین میں سے کسی خاص امام کی تقلید پر اتفاق نہیں کیا۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ جب کسی مسئلہ کا حکم قرآن سے ثابت ہو تو کسی دوسری شے کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیے۔ اور

اگر قرآن میں حکم مسئلہ مختلف الوجوہ ہوتو اس کا فیصلہ حدیث سے کرنا چاہیے۔ اور جب قرآن میں انھیں کوئی حکم نہیں ملتا تھا تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کرتے تھے۔

خواہ وہ حدیث مستفیض ہوئی جس پر فقہاء عمل کر چکے تھے یا کسی خاص شہر کے علماء یا کسی خاص خاندان کے علماء سے یا کسی خاص طریقہ سے وہ مروی ہوئی خواہ صحابہ اور فقہاء نے اس پر عمل کیا ہوتا یا نہ عمل کیا ہوتا کسی مسئلہ میں جب ان کو کوئی حدیث مل جاتی تو اس کے بعد پھر اس کے مخالف کسی اثر یا کسی مجتہد کے اجتہاد کا اتباع نہیں کرتے تھے۔ اور جب نہایت کوشش اور تتبع احادیث کے بعد بھی اس مسئلہ میں حدیث نہیں ملتی تھی تو اس وقت صحابہ یا تابعین میں سے ایک جماعت کا اقتداء کرتے تھے اور ان کے اقوال پر عمل کرتے تھے۔ اس میں ان کو کسی قوم یا کسی شہر کی خصوصیت اور قید نہ تھی۔ ان سے پہلے قدماء کا بھی یہی طریقہ تھا۔ (ص ۱۴۹)

ابن عباسؓ

حضرت ابن عباس نے فرمایا کیا تم ڈرتے نہیں کہ تمہیں عذاب دیا جائے یا تمہیں دھنسا دیا جائے اس بنا پر کہ تم کہو نبی ﷺ نے یہ فرمایا ہے اور فلاں نے یہ کہا ہے (ص ۱۵۰)

ابن سیرینؒ

قتادہؒ سے روایت ہے کہ علامہ ابن سیرین نے ایک شخص سے حدیث بیان کی تو اس نے کہا فلاں نے تو اس طرح کہا ہے۔ ابن سیرین نے فرمایا میں تم سے پیغمبر کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو کہتا ہے فلاں نے اس طرح کہا ہے (ص ۱۵۰)

عمر بن عبد العزیزؒ

امام اوزاعیؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے لکھا کہ کتاب اللہ میں کسی کو رائے دینے کا حق نہیں۔ ائمہ صرف انہی امور میں رائے دینے کے مجاز ہیں جن کا حکم قرآن و حدیث میں موجود نہ ہو جس امر کو رسول اللہ ﷺ نے قرار دے دیا ہو اس میں کسی کی رائے کو دخل نہیں (ص ۱۵۰)

امام وکیعؒ

ترمذی میں ابو السائب سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت امام وکیع کے پاس حاضر تھے انھوں نے ایک اہل الرائے شخص سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اِشعار کیا ہے۔

اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ یہ مُثلہ ہے۔ وہ شخص بولا ابراہیم نخعی نے بھی اِشعار کو مُثلہ کہا ہے۔ ابو السائب کہتے ہیں یہ بات سن کر امام وکیع نہایت غضب ناک ہو گئے اور فرمایا میں تجھے حضور کی حدیث سناتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ ابراہیم نے ایسا کہا ہے۔ تو اس لائق ہے کہ قید کر دیا جائے اور اس وقت تک رہا نہ کیا جائے جب تک کہ اپنے قول سے رجوع نہ کرے (ص ۱۵۰)

اس سے ثابت ہوا پیغمبر کی حدیث چھوڑ کر قول امام پر عمل کرنے والے سلف صالحین کے نزدیک قید ہونے کے لائق ہیں تاوقتیکہ تقلید ترک نہ کر دیں۔

امام مالکؒ وغیرہ

شاہ صاحب لکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عطاؒ حضرت مجاہد اور امام مالک سے مروی ہے کہ ہر شخص کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے سوائے رسول اللہ ﷺ کے (ص ۱۵۰)

صحیح بخاری

ایک ولی اللہ نے خواب دیکھا۔ نبی ﷺ انھیں فرماتے ہیں کیا بات ہے تم شافعی کی فقہ میں مشغول ہو گئے ہو اور میری کتاب کو چھوڑ رکھا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی کتاب کونسی ہے فرمایا صحیح بخاری۔ واقعی صحیح بخاری کو اتنی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں (ص ۱۵۱)

موازنہ

فقہاء (احناف) کے پاس احادیث و آثار کا اتنا ذخیرہ نہیں تھا کہ وہ فقہی مسائل کے استنباط میں ان اصول کو مدنظر رکھ سکتے جنہیں اہل حدیث نے اختیار کیا تھا اور مختلف شہروں کے علماء کے اقوال کو جمع کرنے اور ان پر غور وفکر کرنے میں انھیں انشراح صدر حاصل نہیں تھا۔ ان کا اپنے ائمہ کے بارے میں یہ اعتقاد تھا کہ یہ اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں۔ ان کا قلبی میلان اپنے ہی اصحاب کی طرف تھا۔ جیسا کہ علقمہ کا قول ہے کیا کوئی حضرت ابن مسعودؓ سے بھی بڑھ کر (اثبت) ہے اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا ابراہیم نخعی سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر فضل صحبت کا لحاظ نہ ہوتا تو میں کہتا علقمہ حضرت ابن عمرؓ سے افقہ ہیں۔ (ص ۱۵۲)

اہل حدیث اور اہل الرائے

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں -: فقہ کی دو قسمیں ہو گئیں ۔ ایک رائے اور قیاس والوں کی فقہ اور یہ اہل عراق ہیں اور اہلحدیث کی فقہ اور یہ اہل حجاز ہیں ۔ اہل عراق میں حدیث کا چرچا کم تھا ۔ یہ قیاس میں ماہر تھے ان کے امام حضرت ابوحنیفہ تھے (مقدمہ ابن خلدون ص ۳۸۹)

علامہ شہرستانی (متوفی سن ۵۴۸ ھ) فرماتے ہیں ائمہ مجتہدین کی دو قسمیں ہیں اہل حدیث اور اہل الرائے تیسری کوئی قسم نہیں ۔ اہلحدیث یہ ہیں اہل حجاز امام مالک - امام شافعی ۔ امام سفیان ثوری - امام احمد بن حنبلؒ ۔ امام داؤد اور ان سب کے تلاندہ انھیں اہل حدیث اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی توجہ حدیث اور آثار کی طرف ہوتی ہے اور احکام کی بناء نصوص پر رکھتے ہیں جب تک حدیث موجود ہو یہ قیاس جلی اور خفی کی پرواہ نہیں کرتے ۔

پھر فرماتے ہیں

اہل عراق اہل الرائے ہیں ۔ یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے یہ شاگرد ہیں امام محمد ۔ امام ابو یوسف - امام زفرؒ - حسن بن زیاد ۔ ابن سماعہؒ - قاضی عافیہؒ ۔ ابو مطیع بلخی اور بشر مریسی ہیں ۔ انھیں اہل الرائے اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی توجہ قیاس اور معانی کے استنباط کی طرف ہوتی ہے اور یہ احکام کی بنیاد قیاس پر رکھتے ہیں اور بسا اوقات یہ قیاس جلی کو اخبار احاد (احادیث) پر مقدم رکھتے ہیں (الملل والنحل ۔ بحوالہ تحریک آزادی فکر از شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ ص ۹۱)

اس سے ثابت ہوا اہل حجاز کے علاوہ شافعیؒ ۔ مالکیؒ ۔ حنبلی اور ظاہری سب اہل حدیث ہیں ۔اہل الرائے صرف حنفی ہیں ۔ چونکہ حدیث اور سنت کا ایک ہی مفہوم ہے ۔تو اہل علم کے نزدیک جب حنفی اہل حدیث نہیں لہذا لازماً اہل سنت بھی نہ ہوئے ۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی نے احناف کو اہل سنت میں سے شمار نہیں کیا۔ شیخ کے نزدیک اہل سنت صرف اہل حدیث ہیں انھوں نے احناف کو مرجئہ کے بارہ فرقوں میں سے ایک فرقہ شمار کیا ہے (غنیۃ الطالبین مترجم ص ۲۰۸) شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں

تقلید شخصی کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں

معلوم ہونا چاہیے کہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے لوگوں کا تقلید شخصی پہ اتفاق نہیں ہوا تھا (ص ۱۵۲) یعنی امام ابوحنیفہ کی وفات سے ڈیڑھ سو سال بعد تک اُمت تقلید شخصی کی بیماری سے محفوظ رہی تھی ۔

کسی امام کی طرف نسبت

شاہ صاحب فرماتے ہیں "بسا اوقات کثرت موافقت کی وجہ سے اہل حدیث کو بھی کسی ایک مذہب کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے جیسا کہ امام نسائی اور امام بیہقی کو امام شافعی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے (ص ۱۵۳) اس سے حنفیہ کو عبرت پکڑنی چاہیے جو ہر شخصیت پر تقلید کا دھبہ لگا دیتے ہیں ۔ منسوب ہونے کی وجہ دراصل یہی ہے کہ سب اہل حدیث ہیں اور سب کا مسلک تقریباً ایک ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ انھیں حنفی مسلک کی طرف منسوب نہ کیا گیا ۔ میں تو کہوں گا بذات خود امام ابوحنیفہ بھی

اہل حدیث تھے مگر افسوس کہ فقہاء احناف نے فقہ حنفی کے بیچ میں اتنا گند گھول دیا ہے کہ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں

تقلید کا فتنہ

پھر لوگ خالص تقلید پر جم گئے۔ انھیں حق باطل کی تمیز نہ رہی، انھیں جدل اور استنباط کا فرق معلوم نہ تھا۔ اس زمانہ میں فقیہ وہ کہلاتا تھا جو زیادہ بک بک کرنے والا اور منہ پھٹ ہو اور جو فقہاء قوی اور ضعیف اقوال کو بلا تمیز یاد کرے اور انھیں منہ زوری سے بیان کرتا چلا جائے۔ اور محدث اس شخص کا نام ہو گیا۔ جو صحیح اور ضعیف حدیثوں کو شمار کر لے اور اپنی قوت گویائی سے کام لے کر کہانیوں کی طرح انھیں بیان کرتا جائے۔ تاہم سب ایسے نہ تھے (ایک حدیث نبوی کے مطابق اللہ کے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں کوئی رسوا کرنے والا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ درحقیقت یہی لوگ حجۃ اللہ فی الارض ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ تعداد میں تھوڑے کیوں نہ ہوں۔ بعد میں بتدریج (تقلید کا) فتنہ بڑھتا گیا۔ تقلید میں زیادتی آتی گئی اور نہایت شدت کے ساتھ لوگوں کے دلوں سے دیانت داری نکلتی گئی یہاں تک کہ انھوں نے دینی امور میں غور و فکر چھوڑ دیا اور وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔ ان کا حال یہ ہو گیا۔۔ **انا وجدنا آباء نا علی امة و انا علی آثارهم مقتدون** ہم نے اپنے آباء کو ایک طریقے پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔

والی اللہ المشتکی وهو المستعان وبه الثقة وعليه التكلان

(ص ۱۵۴)

یہاں صاف لفظوں میں شاہ صاحب نے تقلید شخصی کے جمود کو فتنہ اور بددیانتی قرار دیا ہے اور اس پر نہایت دکھ کا اظہار فرمایا ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں

تقلید کا جواز

مذاہب اربعہ کی تقلید کے جواز پہ آج تک اُمت کا اجماع چلا آرہا ہے۔ اس میں چند مصلحتیں ہیں بالخصوص ان دنوں میں کہ جب ہمتیں پست ہوگئیں اور خواہش پرستی اور خود پسندی عام ہوگئی۔ (ص ۱۵۴)

تقلید کا یہ جواز کس قسم کا ہے۔ اگلی عبارت سے اس کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں

حافظ ابن حزمؒ

حافظ ابن حزم نے فرمایا کہ تقلید حرام ہے۔ نبی ﷺ کے سفر، بلا دلیل کسی کا قول قبول کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء (الاعراف ۳)

"پیروی کرو اس چیز کی جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اور اس کے سوا اولیاء کی پیروی مت کرو"۔

واذا قیل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفینا علیه آباء نا (البقره ۱۷۰)

"اور جب کہا جاتا ہے انھیں کہ پیروی کرو اس چیز کی جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں بلکہ پیروی کریں گے ہم اس چیز کی جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا"

تقلید نہ کرنے والوں کی یوں تعریف فرمائی:

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون أحسنه اولئک الذین هداهم الله و اولئک هم اولوا الألباب (الزمر ١٧.١٨)

"پس خوشخبری دے دو میرے ان بندوں کو جو بات کو توجہ سے سنتے ہیں پھر بہترین باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالے نے ہدایت دی اور یہی عقل والے ہیں؟"

نیز فرمایا:

فان تنازعتم فی شی فردوه الی الله والرسول ان کنتم تؤمنون بالله والیوم الآخر (النساء ٥٩)

"پس اگر تمہارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے ہو۔"

ثابت ہوا اختلاف کے وقت اللہ تعالیٰ نے بجز قرآن وحدیث کے کسی اور کی طرف لوٹنے کو جائز نہیں رکھا بلکہ اسے حرام قرار دیا ہے وہ قرآن وحدیث کا غیر ہے۔تمام صحابہ کرام، تابعین عظام اور تمام تبع تابعین نے قرآن وحدیث کو چھوڑ کر غیر کی طرف لوٹنے کے منع ہونے پر اتفاق کیا ہے ....لہذا جو شخص تمام اقوال ابو حنیفہ یا تمام اقوال مالک یا تمام اقوال شافعی یا تمام اقوال احمد بن حنبل "وغیرہم کو قبول

کرے اور فقط اپنے ہی امام کی پیروی کرے اور اپنے متعین پیشوا کی سند کے بغیر قرآن وحدیث پر بھی اعتماد نہ کرے تو وہ جان لے کہ اس نے یقیناً تمام اُمت کے اجماع کی مخالفت کی۔ سلف صالحین اور خیر القرون میں کوئی اسے اپنا ہمنوا نہ ملے گا۔ اس نے بے شک سبیل المومنین سے ہٹ کر راستہ اختیار کیا۔

ایسی بات تقلید جامد سے خدا کی پناہ۔

یاد رہے کہ ان فقہاء نے بھی کسی کی تقلید کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لہذا جس نے ان کی تقلید کی اس نے بھی ان کی مخالفت کی کس میں یہ جرات ہے کہ وہ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت ابن مسعودؓ۔ حضرت ابن عمرؓ - حضرت ابن عباسؓ یا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بہ نسبت ان فقہاء کی تقلید کو اولیٰ قرار دے۔ اگر تقلید جائز ہوتی تو یہ صحابہ کرام زیادہ حق دار تھے کہ ان کی اتباع کی جاتی۔

شاہ ولی اللہ حافظ ابن حزم کی گفتگو پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں تقلید کی حرمت اس شخص کے حق میں ٹھیک ہے جس میں اجتہاد کا ذرا سا ملکہ بھی موجود ہو۔ خواہ ایک مسئلہ میں ہی کیوں نہ ہو اور اس شخص کے حق میں بھی ٹھیک ہے جسے صاف معلوم ہو جائے کہ نبی ﷺ نے یہ حکم دیا ہے یا اس چیز سے منع فرمایا ہے اور یہ کہ یہ منسوخ نہیں ہے۔ منسوخ نہ ہونے کا علم اسے احادیث اور مسئلہ کے متعلق موافق ومخالف کے اقوال کی چھان بین سے ہوا ہو یا اسے یہ نظر آئے کہ یہ حدیث بہت سے علماء کا مذہب ہے اور مخالف کے پاس احتجاج کے لیے سوائے قیاس واستنباط وغیرہ کے کچھ بھی نہیں تو ایسی صورت میں حدیث نبوی کی مخالفت یا تو سراسر خفیہ منافقت ہے یا پھر کھلم کھلا

حماقت ہے۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کتنی عجیب بات ہے کہ فقہاء مقلدین کو علم ہوتا ہے کہ ان کے امام کی دلیل اتنی کمزور ہے کہ اس کے ضعف کو کوئی چیز دور نہیں کرسکتی۔ تاہم وہ اپنے امام کی تقلید کیے جاتے ہیں اور ان لوگوں کے مذہب کو چھوڑ دیتے ہیں جس کی تائید قرآن و حدیث اور قیاسات صحیحہ سے ہوتی ہے۔ صرف اس لیے کہ یہ لوگ جامد تقلید کے مریض ہوتے ہیں صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ لوگ کتاب وسنت سے جو صاف معلوم ہو رہا ہوتا ہے (یعنی ظاہر کتاب وسنت) اسے دفع کرنے کے لیے حیلے کرتے ہیں اور بعید و باطل تاویلیں کرتے ہیں۔ مقصد فقط اپنے امام کا دفاع ہوتا ہے۔ شیخ عزالدین مزید فرماتے ہیں پہلے ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے کہ لوگ جس عالم سے چاہتے مسئلہ پوچھ لیتے تھے۔ کسی خاص مذہب کی پابندی نہیں تھی

یہاں تک کہ ان مذاہب اور متعصب مقلدین کا ظہور ہو گیا۔ اب یہ مقلدین اپنے امام کی ایسی پیروی کرتے ہیں گویا وہ نبی مرسل ہے۔ چاہے اس کا مذہب دلائل سے کوسوں دور ہو۔ یہ مسلک سراسر گمراہی ہے۔ کوئی عقل مند اسے قبول نہیں کرسکتا۔

"امام ابوشامہ" فرماتے ہیں

فقہ پڑھنے والے کو نہیں چاہیے کہ اپنے آپ کو (تالاب کے مینڈک کی طرح) کسی ایک ہی امام کے مذہب تک محدود کردو۔ بلکہ اسے یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ وہی مسئلہ صحیح ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔۔۔۔ امام شافعیؒ سے بھی بالصحت ثابت ہے کہ انھوں نے اپنی اور غیر کی تقلید سے منع فرمایا ہے .... تقلید کی حرمت کے

متعلق حافظ ابن حزم کی گفتگو اس عامی کے بارے میں بھی صحیح ہے جو کسی مخصوص فقیہ کی تقلید کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس سے خطا نا ممکن ہے اور اس کی بات یقیناً صحیح ہے اور دل میں یہ نیت رکھتا ہے کہ وہ اس کی تقلید نہیں چھوڑے گا چاہے دلیل اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ ترمذی شریف میں حضرت عدی بن حاتمؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ **اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ** اور فرمایا یہود و نصاری نے اپنے علماء و مشائخ کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ صرف یہ بات تھی کہ انھوں نے ان کو حلال و حرام کا اختیار دے دیا تھا۔ تقلید کی حرمت اس شخص کے بارے میں بھی صحیح ہے جو مثلاً حنفی ہو کہ شافعی سے یا شافعی ہو کہ حنفی سے مسئلہ پوچھنے کو جائز نہ سمجھے۔ یا ایک دوسرے کے پیچھے نماز کو جائز نہ سمجھے کیونکہ یہ ذہنیت **قرون مشھود لھا بالخیر** کے اجماع کے خلاف ہے۔

البتہ تقلید کی حرمت پر ابن حزم کا قول اس شخص کے بارے میں صحیح نہیں جو صرف آنحضرت ﷺ کی بات کو حجت مانتا ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ حلال فقط وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حلال کیا اور حرام فقط وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام کیا۔ لیکن جب کہ اس شخص کو معلوم نہیں کہ نبی صلعم نے کیا فرمایا ہے نہ ہی وہ مختلف احادیث میں تطبیق دینے اور ان سے کچھ استنباط کرنے کی صلاحیت سے بہرہ در ہے تو ایسا شخص کسی نیک عالم کی پیروی کر لیتا ہے یہ سمجھ کر یہ صحیح مسئلہ بیان کرنے والا ہے۔ اور بظاہر متبع سنت ہے اور اگر جو نہی اسے معلوم ہو جائے کہ یہ عالم اس کی توقع کے برعکس ہے تو فوراً اور بلا حیل وحجت وہ اس کی پیروی سے دست بردار

ہو جاتا ہے تو ایسی بات (یعنی اس قسم کی تقلید) کا کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے۔ فتوے لینا دینا تو عہد نبویؐ سے مسلمانوں کے بیچ میں جاری ہے اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ فتوے لینے والا ہمیشہ ایک ہی عالم سے فتوے پوچھے یا کبھی اس سے پوچھ لے کبھی اس سے پوچھ لے بشرطیکہ طریق کار وہی ہو جس کا ہم نے ذکر کیا۔ کیونکہ ہم کسی فقیہ کے متعلق یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ اللہ تعالے نے اس پہ فقہ وحی فرمائی ہے اور ہم پر اس کی اطاعت فرض ہے اور یہ کہ وہ معصوم ہے۔ ہم اگر کسی فقیہ کو اقتداء کرتے ہیں تو صرف یہ سمجھ کر کہ وہ قرآن وحدیث کا عالم ہے نہ کہ قدوری اور ہدایہ کا عالم سمجھ کر ... اگر یہ بات نہ ہوتی تو کوئی مسلمان کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا۔ پس اگر ہمیں صحیح سند کے ساتھ پیغمبر معصوم کی حدیث پہنچے جس کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کی ہے اور وہ حدیث ہمارے امام کے قول کے خلاف ہو تو اس صورت میں ہم اگر حدیث کو چھوڑ کر اپنے امام کی اٹکل پچو کا انتباع کریں گے تو ہم سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا۔ روز قیامت ہم اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے (ص ۱۵۴ تا ۱۵۶)

احناف کو اس اقتباس کے لفظ لفظ پر غور کرنا چاہیے۔ اگر قرآن وحدیث کی شرط کے ساتھ کسی بھی عالم سے مسئلہ پوچھ لینا ہی تقلید ہے تو بھلا اس سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے۔ کیا حنفیہ کی تقلید اسی قسم کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب نے حافظ ابن حزم کی تردید نہیں تاکید فرمائی ہے۔

اصول فقہ حنفیہ

شاہ صاحب فرماتے ہیں کسی صاحب تخریج کے لیے مناسب نہیں کہ کسی حدیث یا کسی اثر کو جس پر محدثین نے اتفاق کیا ہو رد کردے کسی ایسے اصول کے لیے جسے اس نے یا اس کے اصحاب نے خود گھڑا ہو جیسا کہ حدیث مصراۃ وغیرہ (کہ احناف نے انہیں رد کر دیا ہے) کیونکہ حدیث کی رعایت بہ نسبت مصنوعی قاعدہ کے زیادہ اہم ہے۔ امام شافعی نے فرمایا میں کوئی قول بیان کروں یا کوئی اصول قائم کروں پھر نبی ﷺ سے کوئی حدیث مل جائے جو میرے قول اور اصول کے خلاف ہو تو اس وقت حضور ہی کا فرمان معتبر ہوگا (ص ۱۵٦) شاہ صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں

وحنفیاں برائے احکام مذہب خود اصلی چند تراشیدہ اند یعنی احناف نے اپنے مذہب کی پختگی کے لیے چند اصول تراش رکھے ہیں۔ (قرۃ العینین ص ۱۸٦) تفصیل آگے آرہی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ

شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ کے مذہب کی حفاظت کے لیے متاخرین نے چند قواعد گھڑے ہیں جو دنیا کے عجائبات میں سے ہیں ان قواعد کی بدولت وہ تمام صحیح احادیث کو رد کر دیتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف ہوں" (فتاوے عزیزیہ ٦۲)

ائمہ اربعہ کا تقلید سے اظہار بیزاری

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں الیواقیت والجواہر (مصنفہ عبدالوہاب شعرانی) میں ہے امام ابوحنیفہ فرماتے تھے جو میری دلیل کو نہیں پہچانتا اسے میرے کلام سے فتوے دینے کا کوئی حق نہیں امام ابوحنیفہ ؒ فتوے دیتے ہوئے فرماتے تھے یہ میری ذاتی رائے ہے اور جہاں تک ہم کو قدرت ہوئی۔ "

اس میں یہ بہت اچھا قول ہے۔ اگر کوئی اس سے بہتر بات لے آئے تو وہ زیادہ درست ہے۔ امام مالک فرماتے تھے ہر ایک کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ حاکم اور بیہقی نے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ ایک روایت کے مطابق فرمایا اگر میرا قول حدیث کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کرو اور میرے قول کو دیوار پر دے مارو -ایک روز امام مزنی سے فرمایا کہ ہر بات میں میری تقلید نہ کرنا اور اس سلسلہ میں اپنا خیال رکھنا۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ امام شافعیؒ " کہا کرتے تھے نبی ﷺ کے سوا کسی کے قول میں حجت نہیں اگرچہ اس کے ماننے والے کثیر تعداد (سوادِ اعظم) میں ہوں نہ کسی کے قیاس میں حجت ہے اور نہ کسی اور شے میں۔ صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی ہونی چاہیے۔ امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے اللہ اور اس کے رسول کے بالمقابل کسی کو بات کرنے کا کوئی حق نہیں۔ نہ میری تقلید کرو نہ مالک کی تقلید کرو نہ اوزاعیؒ کی نہ نخعی کی اور نہ کسی اور کی، جس طرح کتاب وسنت سے انھوں نے احکام اخذ کیے ہیں تم بھی اخذ کرو۔ (ص ۱۵۷)

اس سے ثابت ہوا کوئی امام بھی اپنے مقلدین کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں۔ مقلدین خواہ مخواہ اس کے کندھوں پر چڑھتے ہیں۔

غیر کی اقتداء

شاہ صاحب فرماتے ہیں پہلے زمانے میں لوگ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے مثلاً امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام شافعی مدینہ منورہ کے مالکی المذہب ائمہ کی اقتداء میں نماز پڑھ لیتے تھے حالانکہ مالکی بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے نہ سراً نہ جہراً۔ خلیفہ ہارون الرشید نے فصد لگوا کر امامت کرائی۔ امام ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھی کیونکہ امام مالک نے ہارون الرشید کو فتوے دیا تھا کہ خون نکلوانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام احمد بن حنبل نکسیر اور فصد لگوانے سے وضو ٹوٹنے کے قائل تھے۔ ان سے کہا گیا اگر امام کا خون نکلے اور وہ بغیر نیا وضو کے نماز پڑھائے تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے تو فرمایا میں امام مالک اور سعید بن میسّب کے پیچھے کیونکر نماز نہ پڑھوں گا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نماز عیدین میں حضرت ابن عباسؓ کے مسلک کے مطابق تکبیریں کہتے تھے (یعنی دونوں رکعتوں میں قبل از قراءت علی الترتیب سات اور پانچ تکبیریں جیسا کہ اہل حدیث کا طریقہ ہے) کیونکہ ہارون الرشید کو اپنے بزرگ (حضرت ابن عباس) کی تکبیریں پسند تھیں۔ امام شافعی نے امام ابوحنیفہ کی قبر کے قریب صبح کی نماز میں احتراماً دعائے قنوت نہ پڑھی اور فرمایا بسا اوقات ہم اہل عراق کے مذہب کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

بزازیہ میں ہے ایک روز جمعہ کے دن امام ابو یوسف نے حمام سے غسل کر

کے جماعت کرائی۔ نمازی چلے گئے۔ امام صاحب کو بتلایا گیا کہ حمام کے کنویں میں مردہ چوہیا تھی تو فرمایا تب ہم اپنے مدنی بھائیوں کے اس مسلک پر عمل کرلیں گے کہ جب پانی دو مٹکے (قلتین) ہو تو پلید نہیں ہوتا وغیرہ (ص ۱۵۹)

ثابت ہوا شاہ صاحب از راہِ مصلحت دوسرے کے مسلک پر عمل جائز سمجھتے تھے۔ یہی حال شاہ صاحب کی حنفیت کا بھی ہے۔ حجۃ اللہ سے مندرجہ بالا حوالہ جات نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر مظہر بقا صاحب لکھتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اہل علم حضرات مسئلہ کی صورت تو اولی اور راجح اور حق سمجھتے ہوئے بھی اس کی مخالف صورت پر عمل کرنے میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے (اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ شائع کردہ ادارہ تحقیقات اسلامی ص ۴۴)

فقہی تخریجات اور معتزلہ

شاہ صاحب لکھتے ہیں بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ان بڑی بڑی شرحوں اور موٹے موٹے فتاوؤں میں جو کچھ بھی درج ہے وہ سب امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے اقوال ہی ہیں۔ یہ لوگ تخریجی اور اصلی اقوال میں فرق نہیں کرتے ... یہ فقہاء کے اس قول میں تمیز نہیں کرتے کہ وہ کبھی کہتے ہیں امام ابوحنیفہ نے یہ فرمایا اور کبھی کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب یا اصول کے مطابق مسئلہ یوں ہے یہ لوگ اس بات کو بالکل نظر انداز کردیتے ہیں کہ ابن ہمام اور ابن نجیم جیسے محقق احناف نے مسئلہ دہ دردہ اور جوازِ تیمّم کے لیے پانی کے ایک میل دور ہونے کی شرط وغیرہ جو مسائل بیان کیے ہیں یہ فقہاء کی تخریجات ہیں فی الحقیقت مذہب نہیں ہیں۔ بعض سمجھتے ہیں کہ مبسوط سرخسی

ہدایہ اور تبیین وغیرہ میں جو جھگڑے کی باتیں لکھی ہیں ان پر مذہب کی بنیاد ہے۔ انھیں اتنا پتہ نہیں کہ ان جدلیات کے بانی معتزلہ تھے(ص ۱۶۰)

اصول فقہ کا پوسٹمارٹم

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے درمیان اختلاف کی بنیاد وہ اصول ہیں جو بزودی وغیرہ میں مذکور ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اکثر اصول ان کے اقوال سے تخریج کیے گئے ہیں۔ میرے نزدیک (احناف کے) یہ اصول کہ خاص مبین ہوتا ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور یہ کہ زیادتی علی کتاب اللہ نسخ ہے اور یہ کہ عام بھی قطعی ہوتا ہے خاص کی طرح اور یہ کہ راویوں کی کثرت ترجیح کا باعث نہیں اور یہ کہ جب رائے کا دروازہ بند ہوتا ہو تو اس وقت غیر فقیہ (صحابی مثلاً حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس وغیرہ) سے مروی حدیث پر عمل واجب نہیں اور یہ کہ شرط اور وصف کے مفہوم کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا وغیرہ۔ تمام اصول ائمہ کے کلام سے تخریج کیے گئے ہیں یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین سے ثابت نہیں ہیں۔۔۔ مثلاً فقہاء احناف کا یہ قاعدہ کہ خاص مبین ہوتا ہے اسے بیان کی ضرورت نہیں ہوتی یہ قاعدہ انھوں نے متقدمین کے اس رویہ سے نکالا ہے جو انھوں نے قرآن پاک کی اس آیت کے بارے میں اختیار کیا ہے واسجدوا وارکعوا۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے آدمی کی نماز صحیح نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ رکوع وسجود میں اپنی پشت کو ہموار کرے۔ متقدمین نے چونکہ اس حدیث کو آیت کا بیان قرار نہیں دیا لہذا وہ تعدیل ارکان کے قائل نہیں۔ مگر مندرجہ ذیل مثال میں ان کا یہ اصول ٹوٹ جاتا ہے۔ قرآن

پاک میں ہے وامسحوا برؤوسکم

حدیث شریف میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے سر مبارک کے اگلے حصے کا مسح فرمایا۔اس حدیث کو انھوں نے آیت کا بیان قرار دے دیا ہے۔

حالانکہ نبی ﷺ نے باقی مسح اپنی پگڑی پر فرمایا۔اسی طرح الزانیہ والزانی فاجلدوا اور السارق والسارقة فاقطعوا اور حتی تنکح زوجا غیرہ وغیرہ جیسی آیات ساتھ انھوں نے بیان لاحق کیے ہیں۔اسی طرح ان کا یہ اصول ہے کہ عام بھی خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے اسے انھوں نے متقدمین کی تقریر سے اس طرح اخذ کیا ہے قرآن پاک میں ہے فاقرء وا ما تیسر من القرآن -فرمان نبوی ہے فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔اسے انھوں نے آیت کے لیے مخصص قرار نہیں دیا۔اسی طرح حدیث نبوی فیما سقتت العیون العشر کی تخصیص انھوں نے حدیث نبوی لیس فی مادون خمسه اوسق صدقة سے قبول نہیں کی۔مگر فما استیسر من الھدی کی تخصیص انھوں نے نبی ﷺ کے اس بیان سے قبول کر لی کہ اس سے مراد بکری وغیرہ ہے ..... حنفیہ کا مصراة والی حدیث پر عمل نہیں۔اس سے انھوں نے یہ اصول نکالا کہ جب غیر فقیہ صحابی (مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ)، کی حدیث قیاس کے خلاف ہو تو اس پر عمل واجب نہیں (بلکہ اسے رد کر دیا جائے گا) لیکن ان کا یہ اصول حدیث قہقہہ (جو کہ موضوع ہے، اور بھول کر کھا پی لینے سے روزہ نہ ٹوٹنے والی حدیث سے ٹوٹ گیا۔(ص ۱۶۱)

عقد الجید

اجتہاد جاری ہے

شاہ ولی اللہ نے فرمایا اب جو گمان کیا جائے ایسے شخص عالم کے حق میں جو اکثر مسائل میں اپنے امام سے موافق ہو لیکن اس کے ساتھ ہی ہر حکم کی دلیل جانتا ہو اور اس دلیل پر اس کا دل مطمئن ہو اور اپنے کام پر اسے بصیرت حاصل ہو کہ وہ مجتہد نہیں ہے تو یہ گمان اس شخص کے حق میں گمان فاسد ہے۔ اسی طرح جو یہ گمان کرے کہ اس زمانہ میں مجتہد نہیں پایا جاتا۔ گمان اول پر اعتماد کرتے ہوئے تو یہ گمان بناوئے فاسد علی الفاسد ہے۔ (ص ٦)

مشروط اجتہاد

جس مسئلہ میں نبی ﷺ سے صحیح معروف نص موجود ہو تو ہر وہ اجتہاد جو اس کے خلاف ہوگا باطل متصور ہوگا ہاں بسا اوقات مجتہد کو حدیث نبوی نہ جاننے کی وجہ سے معذور جانا جائے گا۔ (ص ١٦)

یاد رہے کہ یہ معذوری عارضی ہوتی ہے دائمی نہیں ہوتی۔ مقلدین نے ان معذوریوں کو اپنا دائمی مذہب بنا رکھا ہے۔

حدیث کا نہ پہنچنا

شاہ صاحب فرماتے ہیں فقہاء میں اختلاف کی منجملہ وجوہات کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک کو حدیث پہنچے گئی دوسرے کو نہ پہنچی تو ظاہر ہے درست وہی ہے جسے حدیث پہنچ گئی (ص ۱۸)

تقلید مطلق

جاننا چاہیے کہ مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان سے روگردانی کرنے میں بہت فساد ہے۔

(ص ۲۳) شاہ صاحب کا یہ خیال از راہ مصلحت ہے اور مجموعی طور پر مذاہب اربعہ کو ماننے کے بارے میں ہے۔اس سے ان کی تقلید شخصی کا ہرگز اثبات نہیں ہوتا۔ بحمد اللہ ہم بھی مذاہب اربعہ کا احترام کرتے ہیں۔ البتہ ہمیں اس قول پر ضرور اعتراض ہوتا ہے جو شریعت سے متصادم ہو۔شاہ صاحب کا بھی یہی مسلک تھا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں سلف کا یہ مسلک نہیں تھا کہ ایک ہی عالم کی تقلید کریں ان کے ہر قول میں چاہے اس سے ان کے دل مطمئن ہوں یا نہ ہوں۔ اگر تمہیں ہمارے بیان میں شک ہو تو کتب بیہقی، معالم السنن اور بغوی کی شرح السنہ کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں۔ محققین فقہائے اہل حدیث کا یہی طریقہ تھا۔ گو ان کی تعداد تھوڑی تھی۔ (ص ۴۴)

شاہ صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے میری طبیعت کے خلاف مذاہب اربعہ میں عملاً تقلید کا حکم دیا حالانکہ یہ میری فطرت کے خلاف تھا (فیوض الحرمین ص ۶۵)

شاہ صاحب کا مسلک

شاہ صاحب سے کسی نے پوچھا عمل تو در مسائل فقیہہ بر کدام مذہب است؟ یعنی فقہی مسائل میں آپ کا عمل کس مذہب پر ہے تو فرمایا مذاہب اربعہ مشہورہ کے مسائل میں حتی الامکان تطبیق دینے کی کوشش کرتا ہوں تطبیق ممکن نہ ہو تو جو مذہب دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی ہو اور صریح حدیث کے موافق ہو اس پر عمل کرتا ہوں (مکتوبات کلمات طیبات ص ۱۶۱)

شاہ صاحب فرماتے ہیں

ے تحقیق راازخم مشر بہا بروں دیدم خروج از قید مشر بہانمے کردم چہ ھے کردم

(مکتوبات مناقب بخاری ص ۳۲)

شاہ صاحب فرماتے ہیں

مذاہب اربعہ کی کتابیں ان کی فقہی اصول اور ان کے حدیثی استدلالات کو دیکھ کر مجھے مسلک فقہائے محدثین پر استقرار حاصل ہوا (الجزء اللطیف ص ۲۰۳)

فرماتے ہیں

کتب حدیث مثلاً صحیح بخاری مسلم۔ ابوداؤد - ترمذی اور کتب حنفیہ وشافعیہ کا مطالعہ کرو اور جو حدیث سے ظاہر ہو اس پر عمل کرو۔ (المقالہ الوضیعۃ وصیت سوم)

مذہب شافعی

شاہ صاحب فرماتے ہیں مذہب اربعہ میں سلف کے سب سے زیادہ قریب مذہب شافعی ہے (الخیر الکثیر ص ۱۸۱ مطبوعہ اکوڑہ خٹک)

فقہ حنفی پر طنز

فرماتے ہیں مذہب اربعہ میں اجماعی مسائل شیخین (حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ) ہی کے مرہون منت ہیں۔ لیکن یہ بات ان حضرات کی سمجھ میں نہیں آ سکتی جن کے علما کا کل سرمایہ قدوری اور وقایہ ہو۔ (قرۃ العینین ص ۱۲۴)

فرماتے ہیں

یہ نکتہ شرح وقایہ اور منہاج وغیرہ پڑھنے والے فقہاء کی سمجھ نہیں آ سکتا۔ اس کے لیے تبحر عالم کی ضرورت ہے (ایضاً ص ۱۳۵)

صاحبین کا امام ابوحنیفہ سے اختلاف

شاہ صاحب نے فرمایا:

حنفی علماء کی بہت سی جماعتوں نے آب مستعمل کے پاک ہونے کے باب میں امام محمد کے قول پر فتوے دیا ہے (جب کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک آب مستعمل نجس ہے) اسی طرح اول وقت عصر وعشاء اور مزارعت کے بارے میں (امام ابوحنیفہ کے برعکس) صاحبین کے قول پر فتوے دیا ہے۔ حنفی فقہاء کی کتابیں اس اختلاف سے بھری ہوئی ہیں۔ حوالے نقل کرنے کی ضرورت نہیں (عقد الجید ص ۴۹)

امام ابوحنیفہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ نے فرمایا میرا قول اگر کتاب اللہ کے خلاف ہو تب بھی ترک کردو سنت رسول اللہ کے خلاف ہو تب بھی ترک کردو۔ بلکہ قول صحابی کے خلاف ہو

تب بھی ترک کر دو (ص ۵۳)

یہ الفاظ امام صاحب کا اہل حدیث ہونا ثابت کرتے ہیں۔

تقلید جاہل کی ضرورت

شاہ صاحب فرماتے ہیں امام ابو یوسفؒ کا یہ قول کہ عامی کو فقہاء کا اقتداء کرنا چاہیے یہ محمول ہے اس عامی پر جو پرلے درجے کا جاہل ہو جو احادیث کا معنی اور مطلب نہ جانتا ہو (ص ۱۵۶)

امام اعظم

امام کے افضل ہونے کا اعتقاد مطلق سب اماموں پر تقلید کی صحت کے لیے بالا جماع ضروری نہیں۔ اس لیے کہ صحابہ و تابعین کا یہ اعتقاد تھا کہ ابو بکر و عمر اس اُمت میں سب سے افضل ہیں تاہم وہ بہت سے مسائل میں شیخین کے قول کیخلاف غیروں کی تقلید کرتے تھے (ص ۵۸)

اس سے معلوم ہوا حنفیہ نے امام ابو حنیفہ کی تقلید کروانے کے لیے لفظ اعظم کو جوان کے نام کا جز و بنا رکھا ہے غیر ضروری ہے امام صاحب اپنے مدرسہ میں ضرور اعظم تھے۔ سارے جہان سے اعظم ہونے کا دعوے محل نظر ہے۔ ایک یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ شاہ صاحب تقلید کا لفظ اصطلاحی معنی کے علاوہ بھی استعمال فرماتے تھے۔

تقلید شخصی

سلف میں عوام کا دستور تھا کہ وہ فقہاء سے فتوی پوچھتے۔ بغیر اس کے کہ شخص معین کی طرف رجوع کریں اور اس بات پر کوئی انکار نہ کرتا تھا۔ (ص ٦۵)

بھلا کوئی انکار کس طرح کرتا جب کہ سلف صالحین نے تقلید کے جراثیم کو پیدا ہونے ہی نہیں دیا تھا در حقیقت یہ تقلید شخصی کا کھلم کھلا انکار ہے۔

وقت زوال

شاہ صاحب لکھتے ہیں عمدۃ الاحکام میں فتاویٰ صوفیا سے منقول ہے کہ عید الفطر کے دن ابن حاجب سے سوال کیا گیا کہ بعض لوگ زوال کے وقت جامع مسجد میں نفل پڑھتے ہیں تو ہم انھیں روکتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اوقات ثلاثہ میں نماز پڑھنے کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے تو ابن حاجب نے کہا منع نہ کیا کرو تا کہ تم اس آیت کے تحت نہ آ جاؤ۔

ارأیت الذی ینهی عبداً اذا صلی۔ نیز تمہیں وقت زوال کا یقین بھی نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے وہ وقت زوال سے پہلے یا بعد ہو۔ ٹھیک زوال کا وقت بھی ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھنا مکروہ نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک کسی روز بھی مکروہ نہیں لہذا اگر تم اعتراض کرو گے تو ممکن ہے وہ کہے میں اس مسئلہ میں اس امام کی تقلید کرتا ہوں جو اس کے جواز کا معتقد ہے یا ایسی دلیل پیش کرے جس سے اس امام نے استدلال کیا ہے لہذا تمہیں منع نہیں کرنا چاہیے (ص ٦٦)، مگر حنفی لوگ تو حرم شریف میں بھی منع کرنے سے باز نہیں آتے۔ حالانکہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا اے بنی عبد مناف دن ہو یا رات جس گھڑی بھی کوئی بیت اللہ شریف کا طواف کرے یا نماز پڑھے اسے منع مت کرو۔ (عن جبیر بن مطعم، ترمذی کتاب الحج) شاہ صاحب کی اس عبارت سے بھی تقلید شخصی کی تردید عیاں ہے۔

مشروط تقلید

شاہ صاحب فرماتے ہیں

مجتہد کی تقلید دو طرح پر ہے۔ ایک واجب دوم حرام۔ واجب کی صورت تو یہ ہے کہ روایت حدیث سے اتباع ہو بطور دلالت کے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ کتاب وسنت سے جاہل انسان بذات خود تلاش واستنباط نہیں کرسکتا تو اس کے ذمہ یہی بات ہے کہ وہ کسی عالم سے پوچھے کہ فلاں فلاں مسئلے میں نبی ﷺ نے کیا حکم فرمایا اور جب عالم بتلادے تو اس کا اتباع کرے خواہ وہ حکم صریح نص سے لیا گیا ہو یا اس سے استنباط کیا گیا ہو۔ یا اس پر قیاس کیا گیا ہو یہ ساری باتیں حدیث نبوی کی طرف ہی راجع ہیں۔ گو دلالت کے طور پر۔ اس قسم کی تقلید کی صحت پر تمام اُمت کا ہمیشہ سے اتفاق ہے۔ اور علامت اس تقلید کی یہ ہے کہ مقلد کا عمل مجتہد کے قول پر گویا اس شرط کے ساتھ ہے کہ قول مذکور سنت کے موافق ہو۔ یعنی یہ مقلد ہمیشہ اور حتی الامکان سنت کا متلاشی رہے۔ جونہی اسے کوئی حدیث معلوم ہو جو اس کے مجتہد کے قول کے خلاف ہو تو اس قول کو ترک کر کے حدیث پر عمل کرے اس کی بات کی طرف ائمہ اربعہ نے اشارہ کیا ہے...... اور تقلید حرام کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی فقیہ کے متعلق گمان کرے کہ وہ علم میں نہایت کو پہنچ گیا ہے اور اس سے خطا ناممکن ہے۔ ایسے مقلد کو جب کوئی صحیح صریح حدیث پہنچتی ہے جو اس کے امام کے قول کے خلاف ہو تو وہ اس قول کو نہیں چھوڑتا اور گمان کرتا ہے کہ امام کی تقلید کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے اس

کے قول ماننے کا مکلّف بنا دیا ہے یہ مقلد اس احمق کی طرح ہے جسے اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا جائے اس نالائق کو جب کوئی حدیث پہنچتی ہے اور اسے اس کی صحت کا یقین بھی ہو جاتا ہے تب بھی اسے قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی ذمہ داری صرف تقلید ہے۔ یہ اعتقاد فاسد ہے اور ردّی قول ہے۔ اس کے لیے کوئی دلیل نہیں نہ عقلی نہ نقلی ۔ متقدمین میں سے کبھی کسی کا یہ مسلک نہیں رہا۔ اس مقلد (جامد) نے دو غلطیاں کیں اول یہ کہ غیر معصوم کو معصوم گمان کر لیا ..... دوم یہ کہ یہ گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے امام کے قول کو ماننے کا مکلّف بنایا ہے اور اب اس کی ذمہ داری صرف اس کی تقلید ہے۔ اسی جیسے مقلد کے بارے میں یہ ارشاد خداوندی نازل ہوا **وانا علی آثار ھم مقتدون (ص ٦٩ تا ۷۱)**

ان الفاظ کی روشنی میں ولی اللہی نظریہ کا پرچار کرنے والے حنفی بھائی غور فرمائیں کہ وہ تقلید کی کونسی قسم پر عمل پیرا ہیں۔ شاہ صاحب نے جس تقلید کو واجب فرمایا ہے کیا یہ وہی تقلید ہے جو حنفی کرتے ہیں کیا انہیں شاہ صاحب کی بیان کردہ اس تقلید سے اتفاق ہے۔ حقیقت یہ ہے ان کا عمل دوسری قسم کی تقلید پر ہے۔ ان کا معاملہ تو یہ ہے

زمیں جُنبد نہ جُنبد گل محمد

خیار بیع کے مسئلہ پر مولانا محمود الحسن دیوبندی لکھتے ہیں: حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ میں شافعی مذہب برحق ہے لیکن چونکہ ہم مقلد ہیں لہذا ہم پر اپنے امام کی تقلید ہی واجب ہے (تقریر ترمذی)

مولانا تقی عثمانی دیو بندی لکھتے ہیں اگر ایسے مقلد کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف پا کر امام کے مسلک کو چھوڑ سکتا ہے تو اس کا نتیجہ شدید افراتفری اور سنگین گمراہی کے سوا کچھ نہ ہوگا (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۸۷)

نمازوں میں ترتیب

جو شخص تنگی وقت یا نسیان کی وجہ سے عصر کی نماز نہیں پڑھ سکا حتی کہ مغرب کا وقت ہو گیا اور اس نے مغرب کی نماز پڑھ لی۔ اس کے متعلق شاہ صاحب بحر الرائق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں۔ اس کا مذہب اس کے مفتی کا فتوے ہے۔ اگر حنفی فتوے دے تو عصر اور مغرب لوٹا لے اور اگر اسے شافعی فتوے دے تو نہ لوٹائے (ص ۸۷) کیونکہ حنفیہ کے نزدیک نمازوں میں ترتیب ضروری ہے شافعیہ کے نزدیک ضروری نہیں کیا پاک و ہند کے احناف اپنے عامیوں کو یہ چھوٹ دینے کے لیے تیار ہیں؟

ظاہر حدیث پر عمل

شاہ صاحب فرماتے ہیں

اگر عامی نے کسی عالم سے فتوے نہ پوچھا اور اسے یہ حدیثیں پہنچیں ک فصد لگانے اور لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور یہ کہ غیبت بھی روزہ توڑ دیتی ہے۔ اور اسے ان کا نسخ اور مطلب معلوم نہ ہوا تو (ان صورتوں میں روزہ توڑ دینے کی بناء پر) اس پر کفارہ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ظاہر حدیث پر عمل

کرنا واجب ہے برخلاف امام ابو یوسف کے (ص ۷۷) کیا واقعی احناف کے نزدیک ظاہر حدیث پر عمل کرنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے آج کل تو انھوں نے قرآن وحدیث کے ظاہر پر عمل کرنے کو گمراہی اور کفر کی جڑ قرار دے رکھا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟

تتبع رخص

شاہ صاحب نے لکھا

امام نوویؒ فرماتے ہیں دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ عامی کو کوئی مخصوص مذہب اختیار کرنا لازم نہیں وہ جس سے چاہے فتوے لے لیکن یہ نہ ہو کہ رخصتیں چننے لگے۔ جس نے عامی کو ہر عالم سے فتوے لینے سے منع کیا ہے شاید اس نے اس کی رخصتیں چننے پر اعتماد نہیں کیا۔ جب ایک عامی مذہب معین کا التزام کرے تو اس کو اس مذہب سے نکلنا اصح قول کے مطابق درست ہے (ص ۷۹)

ایک مقام پر شاہ صاحب فرماتے ہیں

اگر صرف اتنا معلوم ہو جائے کہ نص قرآن، نص حدیث، اجماع سلف اور قیاس جلی اس سے مانع نہیں تو اختیار رخص جائز ہے۔ (ازالۃ الخفاء ج ا ص ۱۳۴)

نہ صرف جائز بلکہ شاہ صاحب تتبع رخص کو حسن قرار دیتے ہیں (ایضاً)

شاہ صاحب نے عقد الجید کے آخر میں فتح القدیر سے علامہ ابن ہمام کا یہ قول نقل کیا ہے اگر انسان کسی مجتہد کے ایسے قول کی جستجو کرے جو اس کے نفس پر آسان ہو تو ہمیں معلوم نہیں کہ شرع نے اس کی برائی بیان کی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

دستور تھا کہ جو باتیں آپ کی اُمت پر سہل ہوں انہی کو پسند فرماتے تھے۔

تقلید شخصی کی تردید

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ علامہ عبدالوہاب شعرانی نے اہل علم کی ایک عظیم جماعت کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ وہ کسی ایک مذہب معین کا التزام کیے بغیر مختلف مذاہب کے مطابق عمل کرتے تھے اور فتوے دیتے تھے اور یہ سلسلہ ائمہ مذاہب سے لے کر شعرانی کے زمانہ تک جاری رہا۔ شروع سے لے کر اس وقت تک علماء اسلاف کا یہی طریق کار رہا ہے۔ گویا یہ بات متفق علیہ ہوگئی اور مسلمانوں کی راہ قرار پائی جس کے خلاف کرنا صحیح نہیں (عقد الجید ص ۸۱)

شاہ صاحب فرماتے ہیں

اگر چند مسائل میں ایک امام کی تقلید کی اور چند مسائل میں دوسرے کی تقلید کی تو درست ہے (عقد الجید ص ۸۷)

عامی کا کوئی مذہب نہیں

شاہ صاحب لکھتے ہیں ابوالفتح ہروی جو امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ہمارے اکثر ائمہ کا اصول میں یہ مذہب ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں اگر اسے کوئی مجتہد مل جائے تو اس کی تقلید کرلے۔ مجتہد نہ ملے تو کوئی بڑا عالم مل جائے تو اس کی تقلید کر لے۔ ظاہر ہے کہ وہ عالم اسے اپنے مذہب کے مطابق ہی فتوے دے گا۔ (ص ۸۸)

تقلید کے اس لفظ سے حنفیہ کو خوش نہیں ہونا چاہیے اس کا مطلب صرف کسی مجتہد یا عالم سے فتوے پوچھنا ہے کسی مذہب معین کی پابندی کیے بغیر۔ نیز ثابت ہوا مقلد اپنے آپ کو حنفی یا شافعی نہیں کہلا سکتا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں

اگر عامی نے دو فقیہوں یعنی دو مجتہدوں سے فتوے پوچھا اور دونوں نے مختلف جواب دیا تو بہتر ہے کہ عامی مذکور ان دونوں میں سے اس کا قول اختیار کرے جس کی طرف اس کا دل مائل ہو۔ بلکہ میرے نزدیک اگر دوسرا قول بھی اختیار کر لے جس کی طرف اس کے دل کا میلان نہ ہو تب بھی جائز ہے اس لیے کہ اس کا میلان اور عدم میلان برابر ہیں۔ اس پر تو مجتہد کی تقلید واجب ہے جو وہ کر چکا۔ چاہے وہ مجتہد صواب پر ہو یا خطا پر -(ص ۹۱)

یہاں بھی تقلید سے مراد عامی کا کسی بھی عالم سے مسئلہ معلوم کرنا ہے۔ کیونکہ جاہل ہونے کی وجہ سے اس کا فرض ہے کہ کسی سے مسئلہ پوچھے

شاہ صاحب فرماتے ہیں

ایک مجتہد معین کے اتباع کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہیں، جس کے زبانی یا نیت میں شرعاً اس اتباع کو مقلد اپنی ذات پر لازم کر لے بلکہ دلیل اور مجتہد کے قول پر عمل کرنے کا موجب ان مسائل میں کہ آدمی کو حاجت پڑے۔ یہ ارشاد خداوندی ہے **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون** (ص ۹۲) اپنی تقلید فقط عامی کی ضرورت ہے اور عامی کا تو مذہب نہیں لہذا دنیا میں کوئی مقلد نہ حنفی ہے نہ شافعی ہے نہ

مالکی ہے نہ حنبلی۔

الانصاف

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں امام شافعی امام محمد کے پاس آئے امام محمد اہل مدینہ کے اس مسئلہ پر طعن کر رہے تھے کہ وہ ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ دے دیتے ہیں۔ یہ زیادتی علی کتاب اللہ ہے (حالانکہ یہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔)

امام شافعی نے کہا کیا تمہارا یہ مسلک ہے کہ خبر واحد سے زیادتی علی کتاب اللہ جائز نہیں۔امام محمد نے کہا ہاں ۔تو امام شافعی نے کہا قرآن پاک میں ہے۔ **کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیران الوصیة للوالدین .**

اور حدیث شریف میں ہے **لا وصیة لوارث** تو پھر آپ نے اس خبر واحد کی زیادتی کو کتاب اللہ پر کیوں جائز رکھا ہے۔امام شافعی نے ایسی کئی مثالیں دیں۔ امام محمد دم بخود رہ گئے (ص ۲۸)

ابن خلکان نے امام شافعی اور امام محمد کا ایک اور دلچسپ مکالمہ نقل کیا ہے امام محمد نے کہا سچ کہنا میرے شیخ (امام ابوحنیفہؒ افضل ہیں یا تمہارے شیخ امام مالکؒ)

امام شافعی نے کہا کیا انصاف مدنظر ہے؟ امام محمد نے کہا۔ ہاں ۔امام شافعی نے کہا آپ خود فرمایئے میرے شیخ احادیث زیادہ جانتے ہیں۔ یا آپ کے۔امام محمد

نے کہا اللہ اکبر آپ کے۔ امام شافعی نے کہا سچ کہیے میرے شیخ زیادہ قرآن جانتے ہیں یا آپ کے؟ امام محمد نے کہا اللہ اکبر آپ کے امام شافعی نے کہا پھر قیاس کے سوا کیا باقی رہ گیا۔ قیاس کی صحت بھی تو قرآن و حدیث ہی پر موقوف ہے (بحوالہ سیرت البخاری صفحہ ۳۰۵، از مولانا عبدالسلام مبارکپوری)

شاہ صاحب نے فرمایا امام معین کی تقلید کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔

پاکستانی مذہب

مثلاً جب جاہل انسان ہندوستان (پاک و ہند) کے ممالک اور ماوراء النہر کے شہروں میں ہو اور وہاں نہ کوئی عالم شافعی ہو نہ مالکی نہ حنبلی ہو اور نہ ان مذہبوں کی کوئی کتاب ہو تو اس جاہل انسان پر امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہوگی جس سے نکلنا اس پر حرام ہوگا ورنہ وہ اپنی گردن سے شریعت کا پھندا اتار دے گا۔ بخلاف اس کے جب وہ حرمین میں ہو جہاں اس کے لیے تمام مذاہب کا پہچاننا آسان ہے اور اس کو یہ کافی نہیں کہ بغیر وثوق کے گمان پر عمل کرے اور نہ عوام کی زبانوں سے کوئی بات اختیار کرے اور نہ یہ کسی غیر مشہور کتاب سے کوئی قول لے۔ یہ سب باتیں نہر الفائق شرح کنز الدقائق میں مذکور ہیں۔ (الانصاف ص ۷۷)،

یہ واحد حوالہ ہے جو شاہ صاحب کی کتاب سے تقلید شخصی پر دیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص فمن اضطر غیر باغ ولا عاد کو ملحوظ رکھے بغیر یہ کہہ دے کہ قرآن پاک نے مردار، خون خنزیر اور ما اھل بہ لغیر اللہ کو جائز قرار دیا ہے۔ آج پاک و ہند میں سینکڑوں کی تعداد میں ایسے علماء کرام موجود ہیں جو مذاہب

اربعہ پر عبور رکھتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں ایسی لائبریریاں موجود ہیں جن میں فقہ حنفی کے علاوہ بھی کتابوں کا انبار پڑا ہے۔ اب پاک و ہند کے جاہل سے جاہل انسان کو بھی نظر آ گیا ہے کہ ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ میں حیران ہوں جس تقلید کو شاہ صاحب نے ایک جاہل انسان کی اضطراری ضرورت قرار دیا ہے۔ ہمارے حنفی بھائی اس سوغات کو حرمین شریفین میں بھی پہنچانا چاہتے ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباس نقل کرنے کے بعد جناب ڈاکٹر مظہر بقا صاحب کہتے ہیں۔ شاہ صاحب اپنے مخصوص زمان و مکان کے اعتبار سے تمسک بالحنفیہ کو ایک قسم کی حکمت عملی سمجھتے تھے۔ لیکن یہ محض اضافی غیر استدلالی امر ہے جس کا مصدر "نور نبوی اور کشف والہام" ہے حقیقی نظری اعتبار سے ان کے نزدیک مذہب حق وہی ہے جو سنت کے قریب ہے رسوخ فی العلم کا یہی تقاضا ہے کہ جس مذہب کی حقیقت بعض اسباب و مصالح پر مبنی ہوگی وہ ہر حال ان مذاہب سے ناقص ہوگا جن کی حقیقت نفس الامری ہے۔ (اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص ۳۸)

<u>اصول فقہ کے بانی امام شافعیؒ</u>

شاہ صاحب نے فرمایا۔ اگر تم یہ کہو کہ اس کا کیا سبب ہے کہ پہلے لوگوں نے اصولِ فقہ میں (سمیت امام ابوحنیفہ کے) بہت کلام نہیں کیا اور جب امام شافعی پیدا ہوئے تو انھوں نے اصولِ فقہ میں شافی کلام کیا اور فائدہ پہنچایا اور خوب کام کیا تو میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے لوگوں کے پاس صرف اپنے ہی شہر کی حدیثیں اور آثار جمع تھے۔ سب شہروں کی احادیث جمع نہ تھیں۔ مقامی احادیث میں تعارض کی

صورت میں وہ حسب استطاعت اپنی فراست سے حکم لگا دیتے اور امام شافعی کے زمانہ میں تمام شہروں کی احادیث اکٹھی ہو گئیں ۔ پھر دوسرا تعارض پیدا ہو گیا۔ ایک تعارض مختلف شہروں کی احادیث کے درمیان اور ایک تعارض مقامی شہر کی احادیث کے درمیان .. لوگوں میں بے حد و حساب اختلاف پیدا ہو گیا۔ وہ متحیر اور مدہوش ہو گئے کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی یہاں تک کہ ان کے پاس رب کی طرف سے مدد آن پہنچی ۔ چنانچہ امام شافعی کے دل میں قواعد الہام کیے گئے جن سے اُنھوں نے مختلف احادیث کے درمیان تطبیق دی ۔ اور آنے والوں کے لیے عجب دروازہ کھول دیا۔ اور مجتہد مطلق منتسب کا سلسلہ امام ابو حنیفہ کے مذہب میں تیسری صدی کے بعد منقطع ہو گیا۔ اس لیے کہ مجتہد وہی ہو سکتا ہے جو بہت بڑا محدث ہو۔ حنفی علماء کا حدیث کے ساتھ مشغول ہونا شروع سے لے کہ آج تک ہمیشہ ہی قائم رہا ہے ۔ (ص، ۷۶، ۷۷) اس اقتباس سے دو باتیں کھل کر سامنے آ گئیں اول یہ کہ اصول فقہ کے (اصل بانی) امام شافعی ہیں۔ دوم یہ کہ حقیقت میں محدثین ہی مجتہد ہو سکتے ہیں جن سے حنفیت محروم رہی۔

مذہب شافعی علمی مذہب ہے

شاہ صاحب فرماتے ہیں جہاں تک مذہب شافعی کا تعلق ہے اس میں مجتہد مطلق مجتہد فی المذہب اہل اصول اہل کلام مفسر قرآن اور شارح حدیث سب مذاہب سے زیادہ ہوتے ہیں ۔ شافعی مذہب سند اور روایت کے لحاظ سے بھی سب سے زیادہ درست ہے اور تصریحات امام کو ضبط کرنے میں قوی تر اور اقوال امام کو وجوہ

اصحاب سے علیحدہ کرنے میں نہایت سخت ہے اور بعض اقوال اور وجوہ کو بعض پر ترجیح دینے کے اہتمام میں سب سے زیادہ ہے۔ اور یہ سب باتیں اسی شخص پر پوشیدہ نہیں جس نے مذہبوں کی مزادلت رکھی ہو اور ان میں مشغول رہا ہو۔ (ص ۷۹،۷۸)

مذہب شافعی کی بنیاد حدیث پر ہے

مذاہب کے ماہر پر یہ بات مخفی نہیں کہ مذہب شافعی کا اصل احادیث و آثار کا مشہور مجموعہ ہے جس کی خدمت علماء نے کی ہے۔ دوسرے مذاہب (مثلاً حنفی مذہب) کو اس کا اتفاق کم ہوا ہے۔

شافعی مذہب کی اصل بنیاد موطا امام مالک ہے۔ موطا اگرچہ امام شافعی سے پہلے کی ہے تاہم اس پر انھوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی۔ نیز شافعی مذہب کی بنیاد یہ کتابیں بخاری مسلم ابوداؤد - ترمذی - ابن ماجہ - دارمی مسند شافعی۔ نسائی۔ دارقطنی بیہقی۔ شرح السنہ للبغوی - امام بخاری۔ اگرچہ امام شافعی کی طرف منسوب ہیں اور بہت سے فقہی مسائل میں ان کے موافق ہیں تاہم وہ بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ (ص ۷۹ تا ۱۸۰) جو کوئی مذہب شافعی سے دشمنی رکھے وہ اجتہاد مطلق کے منصب سے محروم ہے۔ علم حدیث کو اس بات سے انکار ہے کہ اس شخص کی خیر خواہی کرے جو امام شافعی اور ان کے اصحاب کا طفیلی نہ ہو۔ (ص ۸۰)

معلوم ہوتا ہے شاہ صاحب ائمہ اربعہ میں سب سے زیادہ امام شافعی سے متاثر ہیں۔

تقلید گھس گئی

شاہ صاحب فرماتے ہیں

لوگ تقلید پر مطمئن ہو گئے اور تقلید ان کے سینوں میں چیونٹی کی طرح گھس گئی اور انھیں خبر تک نہ ہوئی۔ (ص ۸۸)

تفہیمات

حنفی ذہنیت

شاہ صاحب فرماتے ہیں

میں ان لوگوں سے کہتا ہوں جنہوں نے اپنا نام فقہاء رکھ چھوڑا ہے اور جو تقلید جامد اختیار کیے ہوئے ہے کہ نبی ﷺ کی اگر کوئی حدیث صحیح اسناد سے ان تک پہنچتی ہے اور فقہائے متقدمین کی ایک جماعت اسے اختیار بھی کر چکی ہے لیکن اس حدیث سے انھیں صرف یہ چیز روک دیتی ہے کہ جس کی وہ تقلید کرتے ہیں وہ اسے صحیح نہیں سمجھتے۔۔۔۔۔۔۔ میں اہل ظاہر سے کہتا ہوں جو ان فقہاء کے منکر ہیں، جو حاملین علم کا نمونہ اور اہل دین کے امام ہیں کہ یہ سب حماقت، سخافت رائے اور ضلالت میں مبتلا ہیں حق ان دونوں کے بین بین ہے۔ (ج ا ص ۲۰۹ بحوالہ تحریک آزادی فکر از شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی)

تعصب کی انتہا

میں اللہ کے نام سے اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں امت کے کسی آدمی کے متعلق جو خطا اور ثواب دونوں کا مرتکب ہوسکتا ہے ۔ یہ خیال کرنا کہ اس کا اتباع واجب ہے اور جسے یہ واجب کہے امر واجب ہے یہ اللہ کیساتھ کفر ہے۔ کیونکہ شریعت اس شخص سے بہت زمانہ پہلے موجود تھی ۔ (ج ا ص ۲۱۱)

تم میں بہت سے لوگوں کو حدیث نبوی مل جاتی ہے لیکن وہ اس پر عمل نہیں کرتے وہ کہتے ہیں میرا عمل فلاں مذہب پر ہے، پھر حیلے بہانے بناتے ہیں کہ حدیث سمجھنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا کامل اور غائر لوگوں کا کام ہے ۔ اور ائمہ سے یہ حدیث مخفی نہ تھی ۔ کوئی وجہ ضرور ہوگی جس کی بناء پر ائمہ نے اس پر عمل نہیں کیا (ج ا ص ۲۱۵)

یہاں شاہ صاحب نے احناف کی تقلیدی نفسیات کا پورا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ جیسا کہ

جناب محمد صغیر حسن معصومی صاحب ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد نے اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ نامی کے کتاب کے پیش لفظ میں حنفی ذہنیت کی بھرپور ترجمانی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ۔ "امام اعظم کے وقت میں ان احاد احادیث میں سے واقعہ یہ ہے کہ کسی کو صحیح نہیں سمجھا گیا اور اسی لیے امام صاحب نے اس پر عمل نہ کیا۔ اس کے برعکس بعض احادیث جو عملی طور پر (حنفیوں کی روزمرہ زندگی میں داخل تھیں ان کی روایت بعض انفرادی کوششوں سے تو ملتی ہے مگر روایت سے رہ گئیں اور ان کو عام متداول مجامیع حدیث میں جگہ نہ مل سکی" ۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بخاری مسلم کی احادیث تو احادتھیں اس لیے وہ صحیح اور قابل عمل نہ تھیں۔ اس کے برعکس وہ احادیث جو سرے سے احادیث ہی نہ تھیں یا اگر تھیں تو اس قابل نہ تھیں کہ انہیں صحاح ستہ میں جگہ ملتی۔ وہ متواتر تھیں اور صحیح تھیں اور قابل عمل تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ احناف کی طرف سے محدثین کرام پر خیانت کا بہت بڑا اتہام ہے۔ ڈائریکٹر صاحب نے اپنی سرکاری حیثیت کا بہت ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ مندرجہ بالا اقتباسات میں شاہ ولی اللہ نے حنفیہ کے اسی وہم کو دور کرنے کی کوشش فرمائی ہے

امام یا نبی

شاہ صاحب نہایت دُکھ کے ساتھ فرماتے ہیں آج کل ہر علاقے میں عوام متقدمین میں سے کسی نہ کسی مذہب کے مقلد اور پابند ہیں کسی ایک مسئلہ میں بھی اختلاف کرنے کو وہ اسلام سے نکلنے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ وہ امام گویا نبی ہے جو اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس پر اس کی اطاعت فرض ہے (ج ا ص ۱۵۱)

شاہ صاحب کی وصیت!

فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل میں کتاب وسنت کے ساتھ تمسک کرے اور ان دونوں کو اپنا مشغلہ قرار دے اور ہر دو سے کچھ روزانہ پڑھے اور اگر نہ پڑھے تو چند اوراق کا ترجمہ سنے اور عقائد میں صرف اہل سنت کی روش اختیار کرے اور ائمہ سلف کی طرح موشگافیوں سے احتراز کرے اور خام کار معقولیوں کی شک

آفرینیوں سے بچے اور فروعی مسائل میں ان محدثین کا اتباع کرے جو حدیث اور فقہ دونوں سے پوری طرح واقف ہوں اور فقہی مسائل کو ہمیشہ کتاب وسنت پر پیش کرے جو موافق ہو اسے قبول کرے ورنہ بالکل نظر انداز کر دے۔ اُمت کو اپنے اجتہادات کتاب وسنت پر پیش کرنے سے کبھی استغنا حاصل نہیں ہوا اور ضدی قسم کے فقیہ حضرات جنہوں نے بعض اہل علم کی تقلید کو دین کا سہارا بنا رکھا ہے اور کتاب وسنت سے اعراض ان کا شیوہ ہے کسی کی بات نہ سننا اور ان کی طرف نگاہ مت اُٹھانا اور ان سے دور رہنے میں ہی خدا کا قرب تلاش کرنا۔ (ج ۲ ص ۲۴۰)

مسائل میں شاہ ولی اللہ کا حنفیہ سے اختلاف

سر کا مسح

شاہ صاحب سر کے ابتدائی حصے کا مسح فرض جانتے ہیں (مصفے شرح موطا ج اص ۲۴) جب کہ حنفیہ ربع سر کے قائل ہیں۔

بچے کے پیشاب

شاہ صاحب کے نزدیک شیر خوار بچے کے پیشاب پر پانی چھڑک دینا کافی ہے۔ دھونا ضروری نہیں (المسوی شرح مؤطا ص ۶۱ ج ۱) حنفیہ کے نزدیک دھونا ضروری ہے۔

عصر کا وقت

شاہ صاحب کے نزدیک ایک مثل سے عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے (مصفے ص ۷۰ ج ۱)

امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو مثل سے شروع ہوتا ہے۔ حنفیہ کا اسی پر عمل ہے۔

عشاء کا وقت

شاہ صاحب کے نزدیک عشاء کا وقت شفق احمر کے غائب ہونے پر شروع ہوتا ہے (مصفے ص ۷۰ ج ۱) حنفیہ کے صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک شفق ابیض کے بعد شروع ہوتا ہے۔

تعجیل فجر

شاہ صاحب کے نزدیک نماز فجر میں تعجیل افضل ہے

اطمینان

شاہ صاحبؒ کے نزدیک جلسہ بین السجدتین میں اطمینان فرض ہے (مصفے ص ۷۶ ج ۱) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فرض نہیں۔

اعادہ نماز

انسان تنہا نماز پڑھ چکا ہو پھر امام کے ساتھ وہی نماز پالے خواہ وہ کوئی بھی نماز ہو شاہ صاحب کے نزدیک اعادہ کر لے (مصفے ص ۱۳۸ ج ۱) امام ابو حنیفہ کے

نزدیک فجر، عصر اور مغرب کا اعادہ نہ کرے۔

مسافر کی نماز

شاہ صاحبؒ کے نزدیک مسافر نے دو کی بجائے چار رکعت پڑھ لی تو پوری نماز فرض کے طور پر ادا ہو جائے گی۔ (مصفے ص ۱۴۲ ج ۱) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پہلی دو رکعت فرض، بعد کی دو رکعت نفل ہوں گی اور اگر درمیانہ قعدہ نہ بیٹھا تو فرض باطل ہو جائیں گے۔

بستیوں میں جمعہ

شاہ صاحب کے نزدیک بستیوں میں اقامت جمعہ واجب ہے (مصفے ص ۱۵۳ ج ۱) امام ابو حنیفہ کے نزدیک مصر یعنی شہر کی شرط ہے۔

سنتیں

جماعت کھڑی ہو جائے تو سنتیں پڑھنا منع ہے (مصفے ص ۱۶۵) امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔

وتر

وتر کی نماز سنت ہے (مصفے ص ۱۶۹) صاحبین کا بھی یہی قول ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔

نماز کسوف

شاہ صاحب کے نزدیک گرہن کی نماز بالجہر پڑھنی چاہیے (مصطفےٰ ۱۸۹ ج ۱) صاحبین کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اخفاء کے قائل ہیں۔

سجدۂ تلاوت

سجدہ ہائے سنت ہیں (مصفی ص ۱۹۱ ج ۱) امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہیں۔

کفارہ

رمضان المبارک میں بحالت روزہ صرف جماع میں کفارہ ہے (مصفی ص ۲۳۴ ج ۱) امام ابوحنیفہ کے نزدیک اکل وشرب میں بھی کفارہ ہے۔

تصریہ

تصریہ یعنی جانور کے تھنوں میں دُودھ جمع کر کے دھوکا سے بیچ دینے میں مشتری کو خیار عیب حاصل ہے (مصفی ص ۳۶۷ ج ۱) صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک خیار عیب حاصل نہیں۔

قروء

قروء سے مراد اطہار ہیں (مسوی ص ۱۵۷ ج ۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حیض ہے۔

نفقہ وسکنی

بتہ طلاق والی صرف سکنی کی مستحق ہے (مسوی ص ۵۹ ج ۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نفقہ کی بھی مستحق ہے

میعاد قصر

نماز قصر کی اجازت صرف تین راتوں کے قیام کی نیت تک ہے (مصفے ص ۱۴۴) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ۱۵ دن تک ہے۔

تعداد سجدۂ تلاوت

سجدہ ہائے تلاوت ۱۵ ہیں (مصفے ص ۹۳ ج ۱) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ۱۴ ہیں۔

مزارعت

مساقات اور مزارعت جائز ہے (مصفے ص ۳۹۹ ج ۱) صاحبین کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک منع ہے۔

تراویح

تراویح کی تعداد بیس رکعت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ لوگوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک لوگوں کے لیے سارا سال (یعنی رمضان اور غیر رمضان میں) گیارہ رکعت مشروع فرمائی ہیں۔ تو لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ رمضان کے اندر جب مسلمان تشبیہ بالملکوت کے دریا میں اپنی جال کے ڈالنے کا قصد کرتا ہے تو اس کا حصہ گیارہ رکعت کے دوگنا سے کم نہیں ہونا چاہیے (حجۃ اللہ ج ۲ ص ۱۸)

شاہ صاحب نے حنفیہ کے علی الرغم تسلیم کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعت بھی مقرر فرمائی ہیں۔ بیس کا عدد لوگوں کی مصلحت ہے۔

دہ دردہ

حنفیہ کو اپنے دہ دردہ پانی پر بہت ناز ہے مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں اس باب میں کوئی قابل اعتماد اور واجب العمل بات نہیں ہے (حجۃ اللہ ج اص ۱۸۵)

وتر سنت ہیں

شاہ صاحب فرماتے ہیں حق یہ ہے کہ وتر سنت مؤکدہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی بیان کیا ہے (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۷)

جمع تقدیم وتاخیر

آنحضرت ﷺ نے لوگوں کیلئے جمع تقدیم اور جمع تاخیر مشروع فرمائی لیکن اس پر مواظبت نہیں فرمائی اور نہ تاکید کی جیسے کہ نماز قصر میں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ۔ ج ۲، ص ۲۴) حنفیہ نہ جمع تقدیم کے قائل ہیں نہ جمع تاخیر کے۔

تکبیرات عیدین

شاہ صاحب فرماتے ہیں

پہلی رکعت میں قبل از قرأت سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قبل از قرأت پانچ تکبیریں کہے کوفیوں کا عمل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں قبل از قرأت جنازہ کی طرح چار تکبیریں کہے اور دوسری رکعت میں تین تکبیریں بعد از قرأت کے۔ یہ دونوں طریقے سنت ہیں لیکن حرمین کا عمل راجح ہے (حجۃ اللہ ج ۲ ص ۳۱)

شد رحال

شدرحال والی حدیث کے متعلق شاہ صاحب فرماتے ہیں میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبراور ولی کی عبادت گاہ اور طور پہاڑ اس نہی میں سب برابر ہیں (حجۃ اللہ ج اص ۱۹۲) حنفیہ اس نہی کو صرف مسجدوں سے مخصوص فرماتے ہیں

فاتحہ خلف الامام

شاہ صاحب فرماتے ہیں

مقتدی کو چاہیے کہ خاموشی سے سنے پس اگر امام جہری قرأت کرے تو مقتدی سکتات میں پڑھے اور اگر امام سری قرأت کرے تو مقتدی کو اختیار ہے جب چاہے پڑھے پس اگر پڑھے تو سورہ فاتحہ اس انداز سے پڑھے کہ امام کی قرأت میں خلل نہ واقع ہو۔ یہ میرے نزدیک بہترین قول ہے۔ اور اس سے احادیث میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۹)

مگر حنفیہ کو فاتحہ خلف الامام سے جنم جنم کا بیر ہے۔

یادرہے کہ شاہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے بلکہ وہ نماز جنازہ میں بھی فاتحہ پڑھتے تھے۔ (انفاس العارفین، ص ۲۴)

رفع یدین اور وتر

شاہ صاحب فرماتے ہیں

میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ رفع یدین کرنا یا نہ کرنا دونوں طرح سنت ہے جیسے وتر ایک بھی جائز ہے تین بھی جائز ہیں۔ جو شخص رفع یدین کرتا ہے مجھے زیادہ محبوب ہے اس شخص سے جو رفع یدین نہیں کرتا اس لیے کہ رفع یدین کی حدیثیں زیادہ

بھی ہیں اور صحیح بھی ہیں لیکن انسان کو ایسے اعمال کی وجہ سے اپنے خلاف ہنگامہ بر پا نہیں کرا لینا چاہیے۔ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے فرمایا اگر تیری قوم نو مسلم نہ ہوتی تو میں خانہ کعبہ کو شہید کر کے ابراہیمی بنیاد کے موافق بنا دیتا بعید نہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا ہو کہ اخیر سنت متقررہ ترک رفع یدین ہے۔اس خیال سے کہ نماز کا مدار اعضاء کے سکون پر ہے اور انھیں یہ بات معلوم نہ ہوئی کہ رفع یدین ایک تعظیمی فعل ہے اور اسی وجہ سے نماز کی ابتدا اس سے کی گئی ہے۔ یا انھوں نے یہ سمجھا ہو کہ رفع یدین ایسا فعل ہے جس سے کسی چیز کا ترک معلوم ہوتا ہے۔اسی واسطے (ثنائے نماز میں اس کا ہونا نا مناسب ہے اور یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی کہ نماز کے اندر جتنے افعال مقصود بالذات ہیں ان سب کے شروع میں بار بار نفس کو ماسوا اللہ کے ترک متنبہ کرنا منظور ہے۔(حجۃ اللہ، ج ۲ ص ۱۰)

اس اقتباس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ شاہ صاحب کی طبیعت پر حنفیت کا جتنے فیصد اثر بھی باقی رہا۔وہ صرف مقامی مصلحت اور خوف فتنہ کے پیش نظر تھا ورنہ دل سے وہ محسوس فرماتے تھے کہ حنفی مذہب کمزور ہے۔اور شہید کرنے کے قابل ہے۔

ڈاکٹر مظہر بقا صاحب امیر الروایات ص ۹۴ کے حوالہ سے لکھتے ہیں امیر شاہ خان نے جن کا بیان مولانا مناظر احسن گیلانی کے نزدیک ایک زندہ شہادت ہے۔ شاہ اسماعیل شہید کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب شاہ صاحبؒ نے رفع یدین شروع کیا تو مولوی محمد علی صاحب اور مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبد العزیز صاحب کے شاگرد تھے۔ شاہ عبد العزیز صاحب سے کہا کہ آپ انھیں

سمجھائیں تاکہ یہ رفع یدین چھوڑ دیں۔ شاہ عبد العزیز صاحب نے فرمایا کہ میں تو ضعف کی وجہ سے اس سے مناظرہ نہیں کر سکتا۔ تم میرے سامنے اس سے مناظرہ کر لو۔ تم میں سے جو غالب آ گیا میں اس کے ساتھ ہو جاؤں گا۔ پھر دوسرے موقع پر شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے شاہ عبد القادر صاحب سے کہا کہ تم سمجھانا۔ اُنھوں نے مولوی محمد یعقوب صاحب کے ذریعہ کہلوایا کہ رفع یدین چھوڑ دو۔ ورنہ خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔ شاہ شہید نے کہا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جائے تو اس حدیث کے کیا معنے ہوں گے کہ "**من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد**" شاہ عبد القادر صاحب نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ یہ اس وقت ہے جب سنت کے مقابلہ میں غیر سنت ہو۔ اور حنفیوں کے ملک میں یہاں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے۔"

اس واقعہ سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ شاہ صاحب کی طرح شاہ عبد العزیز، شاہ عبد القادر مولوی محمد یعقوب اور شاہ عبد العزیز کے دوسرے تلامذہ یا کم از کم مولوی محمد علی اور احمد علی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ گویا رفع یدین کے معاملہ میں شاہ صاحب کا خاندان عموماً حنفی مذہب پر عامل تھا۔

دوسرے یہ کہ رفع یدین کی سنت پر عمل کرنے سے فتنہ کا خوف تھا اسی لیے شاہ عبد العزیز نے نہایت خوبصورتی سے مناظرہ سے دامن بچایا اور مولوی محمد علی اور احمد علی نے بھی مناظرہ نہ کیا۔ شاہ عبد القادر خوف فتنہ کے سوا رفع یدین کے خلاف کوئی علمی دلیل پیش نہ کر سکے۔ (اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص ۴۲)

آمین بالجہر

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں

اس موقع پر شاہ محمد فاخر زائر الہ آبادی کے واقعہ کا ذکر غیر مناسب نہ ہوگا۔

حضرت زائر دہلی تشریف لائے۔ جامع مسجد دہلی میں ایک نماز جہری میں "آمین" بآواز کہہ گئے۔ دہلی میں یہ پہلا حادثہ تھا۔ عوام برداشت نہ کر سکے۔ جب آپ کو لوگوں نے گھیر لیا تو فرمایا تمہارے شہر میں سب سے بڑا عالم ہو اس سے مسئلہ دریافت کرو۔ لوگ آپ کو حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں لے گئے۔ دریافت مسئلہ پر آپ نے فرمایا کہ حدیث سے بآواز آمین کہنا ثابت ہے۔ مجمع یہ سن کر چھٹ گیا۔ صرف مولانا محمد فاخر زائر اور حضرت شاہ صاحب بصورت قران السعدین باقی رہ گئے۔ شاہ محمد فاخر نے عرض کیا آپ کھلیں گے کب؟ فرمایا "اگر کھل جاتا تو آج آپ کو کیسے بچاتا"؟

(تذکرہ علمائے حدیث ہند ص ۲۲)

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ بھی "آمین بالجہر" کے قائل تھے، البتہ عمل حنفیوں جیسا تھا، ورنہ لوگ حضرت زائر کو ان کے پاس نہ لے جاتے۔

(ص ۴۲)

ڈاکٹر صاحب مولانا یوسف بنوری صاحب کا قول نقل کرتے ہیں "بعضے مسائل واحکام میں مذہب حنفی کے خلاف شاہ صاحب کا رجحان نفس حنفی مذہب کے

خلاف نہیں سمجھا جا سکتا (بحوالہ الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۳۹۱)

ڈاکٹر صاحب اس پر تبصرہ فرماتے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ شاہ صاحب کو امام ابو حنیفہ سے صرف بعضے مسائل و احکام میں اختلاف نہیں بلکہ تقریباً اسی فیصد مسائل و احکام میں اختلاف ہے اس تعداد کو "بعضے" کے ساتھ تعبیر کرنا محل نظر ہے (ص ۴۱)

اور یہ اصول بھی قارئین کو معلوم ہوگا "للا کثر حکم الکل" (اکثر کے لیے حکم کل کا ہوتا ہے)، شاہ صاحب کی کتابوں سے اقتباسات پیش کر دیے گئے ہیں۔ ان کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی اگر حنفی بھائی یہ کہیں کہ شاہ صاحب بھی انہی کی طرح حنفی اور مقلد تھے تو اس سے بڑی بے انصافی اور تہمت کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ شاہ صاحبؒ کا نام استعمال کر کے در حقیقت احناف اپنا قد اونچا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بریلوی حضرات انہی حنفی مساجد اور مدارس کا نام غوثیہ رکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ شیخ عبد القادر حنبلی المذہب اہلحدیث تھے اور اہل حدیث ہی کی طرح نماز پڑھنے والے تھے۔ ستم ظریفی کی انتہا یہ کہ دیو بندی احناف شاہ اسماعیل شہید کی شخصیت کو بھی اپنے کھاتے میں ڈال لیتے ہیں حالانکہ شاہ شہیدؒ تقلید کے کھلم کھلا خلاف تھے (ایضاح الحق ص ۸۸)، آپ نے رفع یدین کے اثبات پر کتاب بھی لکھی حقیقت یہ ہے کہ جو بات شاہ ولی اللہ نے اشارہ میں سمجھائی ان کے پوتے شاہ

اسمعیل شہیدؒ نے اس کا برملا اظہار فرما دیا۔ان کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں "دعوت و اصلاح امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کر دیے گئے تھے۔ اب اس سلطان وقت وسکندر اعظم کی بدولت شاہجہان آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ مچ گیا۔ اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے۔ جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی وہ اب سرِ بازار کہی جا رہی تھیں"۔ (بحوالہ موج کوثر ص ۴۸)

احناف کو شخصیات پر قبضہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اس طرح ان کی شخصیت مشکوک بلکہ مجروح ہو جاتی ہے۔ انھیں چاہیے کہ ان کی اچھی باتوں پر عمل کی کوشش فرمائیں۔

مکتبہ دار السلف

محلہ آسن داس، جمن شاہ روڈ ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ۔ سندھ
+92-302-3353215, 0303-3058908